وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْءَانَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ (القرآن)

اور ہم نے قرآن کو سمجھنے کے لیے آسان کر دیا ہے تو کوئی ہے کہ سوچے، سمجھے!

جلد12	شمارہ08	ذوالقعدہ1439ھ	اگست2018ء

ISSN 2305-6231

ماھنامہ

حکمتِ بالغہ

جھنگ

مدیر مسئول : **انجینئر مختار فاروقی**

مشاورت

ڈاکٹر محمد سعد صدیقی — مدیر معاون و نگران طباعت: مفتی عطاء الرحمٰن

حافظ مختار احمد گوندل — تزئین و گرافکس: ثاقب نذر

پروفیسر خلیل الرحمٰن — قانونی مشاورت:

محمد فیاض عادل فاروقی — محمد سلیم بٹ ایڈووکیٹ، چودھری خالد اشیر ایڈووکیٹ

ترسیلِ زر بنام: انجمن خدام القرآن رجسٹرڈ جھنگ

اہلِ ثروت حضرات سے تاحیات زرِ تعاون بیس ہزار روپے یکمشت

سالانہ زرِ تعاون: اندرونِ ملک 500روپے، قیمت فی شمارہ 50روپے

قرآن اکیڈمی جھنگ

لالہ زار کالونی نمبر2، ٹوبہ روڈ جھنگ صدر پاکستان پوسٹ کوڈ35200

047-7630861-7630863

ای میل: hikmatbaalgha@yahoo.com

ویب سائٹ: www.hikmatbaalgha.com

www.hamditabligh.net

پبلشر: انجینئر مختار فاروقی طابع: محمد فیاض مطبع: سلطان باہو پریس، فوارہ چوک، جھنگ صدر

اَلْكَلِمَةُ الْحِكْمَةُ ضَآلَّةُ الْمُؤْمِنِ فَحَيْثُ وَجَدَهَا فَهُوَ اَحَقُّ بِهَا (ترمذی)

حکمت کی بات بندۂ مومن کی گم شدہ متاع ہے جہاں کہیں بھی وہ اس کو پائے وہی اس کا زیادہ حق دار ہے

مشمولات

1	قرآن مجید کے ساتھ چند لمحات	سورۃ البقرۃ	3
2	بارگاہِ نبوی میں چند لمحات		5
3	حرفِ آرزو	انجینئر مختار فاروقی	6
4	اہل قلم سیمینار سے خطاب	ڈاکٹر طالب حسین سیال	10
5	اسلامی انقلاب کے لیے روڈ میپ کی ضرورت	رضی الدین سیّد	19
6	**70** سال کی فلسطینی نکبت	محسن فارانی	29
7	ایلومیناتی سیاست اور دجال کی عالمی حکومت	رفیق چودھری	33
8	مسائلِ میراث اور ہمارے اُجڑتے خاندان	حافظ مختار احمد گوندل	38
9	اسلام ایک زندہ جاوید مکمل تہذیب	پروفیسر رشید احمد انگوی	49
10	نیا جال لائے پرانے شکاری	محمد منظور انور	53
11	25 روزہ کورس کے شرکاء کے تاثرات		59
12	تبصرہ وتعارف کتب		62

ماہنامہ حکمت بالغہ میں قلمی تعاون کرنے والے حضرات کے مضامین معلومات کے تبادلے اور وسیع تر انداز میں خیر کے حصول اور شر سے اجتناب کے لیے چھاپے جاتے ہیں اور ادارے کا مضمون نگار حضرات سے تمام جزئیات میں اتفاق ضروری نہیں۔

یہ رسالہ ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو حوالہ ڈاک کر دیا جاتا ہے۔ نہ ملنے کی صورت میں 6 تاریخ تک دفتر رابطہ فرمائیں (ادارہ)

قرآن مجید

کے ساتھ

چند لمحات

سورۃ البقرۃ (02) آیات 06-12

اَعُوۡذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيۡطٰنِ الرَّجِيۡمِ

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اِنَّ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا سَوَآءٌ عَلَيۡهِمۡ

جولوگ کافر ہیں اُن کے لیے برابر ہے کہ

ءَاَنۡذَرۡتَهُمۡ اَمۡ لَمۡ تُنۡذِرۡهُمۡ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ O

انھیں تم نصیحت کرو یا نہ کرو وہ ایمان نہیں لانے کے

خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ وَعَلٰى سَمۡعِهِمۡ

اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا رکھی ہے

وَعَلٰٓى اَبۡصَارِهِمۡ غِشَاوَةٌ

اور ان کی آنکھوں پر پردہ (پڑا ہوا) ہے

وَّلَهُمۡ عَذَابٌ عَظِيۡمٌ O

اور ان کے لیے بڑا عذاب (تیار) ہے

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّقُوۡلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ

اور بعض لوگ ایسے ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں

وَ مَا هُمۡ بِمُؤۡمِنِیۡنَ O

حالانکہ وہ ایمان نہیں رکھتے

یُخٰدِعُوۡنَ اللّٰہَ وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا

یہ (اپنے پندار میں) اللہ کو اور مومنوں کو چکما دیتے ہیں

وَ مَا یَخۡدَعُوۡنَ اِلَّاۤ اَنۡفُسَہُمۡ وَ مَا یَشۡعُرُوۡنَO

مگر (حقیقت میں) اپنے سوا کسی کو چکما نہیں دیتے

اور وہ اس سے بے خبر (بھی) ہیں

فِیۡ قُلُوۡبِہِمۡ مَّرَضٌ فَزَادَہُمُ اللّٰہُ مَرَضًا

ان کے دلوں میں (کفر ونفاق کا) مرض تھا

اللہ نے ان کا مرض اور زیادہ کردیا

وَ لَہُمۡ عَذَابٌ اَلِیۡمٌۢ بِمَا کَانُوۡا یَکۡذِبُوۡنَ O

اور ان کے جھوٹ بولنے کے سبب ان کو دکھ دینے والا عذاب ہوگا

وَاِذَا قِیۡلَ لَہُمۡ لَا تُفۡسِدُوۡا فِی الۡاَرۡضِ ۙ

جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ ڈالو

قَالُوۡۤا اِنَّمَا نَحۡنُ مُصۡلِحُوۡنَ O

تو کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں

اَلَاۤ اِنَّہُمۡ ہُمُ الۡمُفۡسِدُوۡنَ وَلٰکِنۡ لَّا یَشۡعُرُوۡنَ O

دیکھو بلاشبہ یہی مفسد ہیں لیکن شعور نہیں رکھتے

صَدَقَ اللّٰہُ الۡعَظِیۡم

گر تو می خواہی مسلمان زیستن

نیست ممکن جز بقرآں زیستن

بارگاہِ نبوی ﷺ میں چند لمحات

قَالَ النَّبِیُّ ﷺ

لَا یَبْقٰی عَلٰی ظَهْرِ الْاَرْضِ بَیْتُ مَدَرٍ وَ لَا وَبَرٍ اِلَّا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ کَلِمَةَ الْاِسْلَامِ بِعِزِّ عَزِیْزٍ اَوْ ذُلِّ ذَلِیْلٍ۔ اِمَّا یُعِزُّهُمُ اللّٰهُ فَیَجْعَلُهُمْ مِنْ اَهْلِهَا اَوْ یُذِلُّهُمْ فَیَدِیْنُوْنَ لَهَا۔ قُلْتُ: فَیَکُوْنَ الدِّیْنُ کُلُّهٗ لِلّٰهِ

(رواہ احمد، عن مقداد رضی اللہ عنہ)

روئے زمین پر نہ کوئی اینٹ گارے کا بنا ہوا گھر رہ جائے گا اور نہ اونٹ کے بالوں کا بنا ہوا کوئی خیمہ، جس میں اللہ کلمۂ اسلام کو داخل نہ کردے۔ خواہ کسی سعادت مند کو عزت دے کر اور خواہ کسی بدبخت کی مغلوبیت کے ذریعے۔ یعنی یا تو اللہ تعالیٰ لوگوں کو (اسلام کی بدولت) عزت عطا فرمادے گا اور انہیں کلمۂ اسلام کا قائل و حامل بنا دے گا یا (حالت کفر پر برقرار رہنے کی صورت میں) انہیں مغلوب فرمادے گا کہ وہ اس کے محکوم اور تابع بن کر رہیں گے۔

(راویٔ حدیث حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس پر میں نے اپنے دل میں کہا: پھر تو واقعتاً دین کل کا کل اللہ ہی کے لیے ہوجائے گا!)

زندگی در جستجو پوشید است علامہ اقبال
اصل اُو در آرزو پوشیدہ است

پاکستان ___ ایک انوکھا، منفرد اور یکتائے روزگار ملک

انجینئر مختار فاروقی

☆ سطحی طور دیکھنے والے لوگ اپنی آنکھوں کے ذریعے مشاہدے (یا دیگر حواس خمسہ کے ذریعے حاصل معلومات) میں کسی غیر مرئی (DIVINE) عنصر کا عمل دخل نہیں سمجھتے۔ یہ سطح حیوانوں کی سطح ہے یا انسانوں میں شعور کی شدید کمی کا شکار لوگوں کی سطح ہے ایسے انسانوں اور جانوروں میں صرف شکل کا فرق رہ جاتا ہے۔ ڈارون (DARWIN) کے ترقی یافتہ بندر کی اولاد کا انسان اور کارل مارکس (KARL MARX) کے اس معاشی حیوان انسان میں اور مومن انسان میں زمین و آسمان کی طرح کا فرق ہے۔ اس سطح پر زندگی گزارنے والے لوگوں کی ساری دنیا میں اکثریت ہے اور پاکستان میں بھی ایسے انسانوں کی کمی نہیں۔ سو سال قبل جنوبی ایشیا میں ایسے انسانوں کی شرح کم تھی جوں جوں مغربی بالادستی اور اس کا نظامِ تعلیم مسلّط ہوتا جا رہا ہے اس طرح کے لوگوں کی شرح میں اضافہ ہو رہا ہے۔

☆ اس طرح کی مادی سوچ کے حامل افراد پاکستان کو دنیا کے عام ممالک کی طرح ایک ملک تصور کرتے ہیں اور اس ملک کی فلاح و بہبود کے جو منصوبے بناتے ہیں وہ اسی نقطۂ نظر کے تحت بناتے ہیں ان کے سامنے دنیا کے بعض دیگر سیکولر ممالک کی مثالیں ہوتی ہیں اور انھیں کے نقش قدم پر صنعتی ترقی، روزگار کی فراہمی، تعلیم کا عام کرنا، صاف پانی کی فراہمی، صحت کے معاملات اور امن و امان کے ساتھ ملکی وسائل (GDP) میں اضافہ، زرمبادلہ کے ذخائر میں

اضافہ جیسے مسائل زیر بحث ہوتے ہیں اور مغربی ممالک یا دیگر سیکولر صنعتی ممالک کی طرح کے منصوبے بن جاتے ہیں۔ پھر ان منصوبوں کے لیے غیر ملکی قرضے اور غیر ملکی سرمایہ کاری (جس کی آڑ میں یہ ممالک اس ملک کے اندرونی معاملات میں مداخلت کرتے ہیں) کا سہارا لیا جاتا ہے۔ فوج کی جدید خطوط پر استواری کا مسئلہ بھی اسی پس منظر میں موضوعِ بحث بنتا ہے۔ اسلحہ کی خریداری، پہلے سے موجود اسلحہ کی UP-GRADDING اور پھر افراد کی تربیت مزید براں ترقی یافتہ ممالک میں مطالعاتی دورے کرائے جاتے ہیں جس سے اس طرح کے افراد کے منہ میں پانی بھر آتا ہے پھر یا تو ایسے ذہن کے افراد انہی ممالک میں رہ جانے کو پسند کرتے ہیں یا دوہری شہریت حاصل کر لیتے ہیں اور ملک میں کرپشن اور ناجائز منافع خوری سے رقوم دوسرے ممالک میں منتقل کرتے ہیں اور ریٹائرمنٹ کے بعد انہی ممالک میں جا کر رہائش پذیر ہو جاتے ہیں۔

کچھ مخلص اور وطن دوست لوگ واپسی کو ترجیح دیتے ہیں لیکن یہ طبقہ ملکی وسائل سے اپنے ملک کو انہیں ترقی یافتہ ممالک کی طرح رہن سہن، لباس، تعلیم، تفریح کے انداز، دن رات کی مصروفیات، لہو ولعب کے مشاغل میں یکسانیت پیدا کر کے ملک کو مغربی رنگ میں رنگ دینے کی جدوجہد کرتے ہیں۔

☆ یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ کسی قوم (جیسے مغربی ترقی یافتہ اقوام) کا رہن سہن، کلچر، لباس، طرزِ تعمیر، مشغلے، قومی اہداف، آرزوئیں اور اُمنگیں ہر چیز اس قوم کے اجتماعی نظریے (عقیدے، مذہب، سوچ، نقطۂ نظر اور زاویۂ نگاہ) کے تابع ہوتا ہے۔ مادی سوچ اور سیکولر اندازِ فکر بھی ایک 'مذہب' اور لائف سٹائل ہے۔ مغربی طرز کی ترقی اُن کے نقش قدم پر چل کر ملتی ہے تو اس ترقی کے ساتھ اس قوم کے نظریات بھی چلے آتے ہیں۔ امریکی امداد ہو یا چینی اور برطانوی قرضے ہوں یا فرانسیسی یہ سب ممالک اپنی قومی اہداف اور مذہبی اقدار (کوئی مذہبی قدغن اور سوچ نہ ہونا بھی ایک سوچ ہے) کے مطابق تشکیل دیے ہوئے ہیں وہی طرزِ فکر یہاں آ پہنچتا ہے۔

☆ یوں پاکستان کے بظاہر ایسے مخلص ومحبّ وطن افراد اپنے منصوبوں اور مغربی اور غیر ملکی ترقی کو رول ماڈل سمجھ کر جو منصوبے بناتے ہیں اور ان پر عملدرآمد ہوتا ہے کہ یہ لوگ اقتدار کے مناصب پر فائز ہیں۔ مگر اس شاہراہ پر اُٹھنے والا ہر قدم ترقی کی طرف بڑھنے کے

ساتھ ساتھ اپنے قومی مفادات اور نظریات اور مذہب سے دُوری کا سبب بنتا ہے اور نظریاتی افلاس بڑھتا ہے نظریاتی خلا جنم لیتا ہے جس کو پُر کرنے کے لیے مغرب کو ہمارے نظام میں تبدیلیاں لانے کا جواز ملتا ہے۔

☆ پچھلے ستر سالہ پاکستان کی صنعتی ترقی کی تاریخ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ ہماری قوم کرپشن، اقرباء پروری، بددیانتی کی وجہ سے اکثر منصوبے بھی مکمل نہ کرسکی جبکہ ان منصوبوں کے جلو میں غیر ملکی، ملحدانہ، سیکولر، بے دین اور اسلام دشمن، خدابیزار افکار و نظریات ضرور پاکستان پہنچ گئے اور وقت گزرنے کے ساتھ پھیل رہے ہیں۔ پاکستان میں اسلام سے بغاوت یعنی ارتداد کا عمل کس تیزی سے جاری ہے اس کا اندازہ غیروں کی تبلیغی سرگرمیاں اور ان میں گزشتہ ستر سال میں اضافہ دیکھ کر کیا جاسکتا ہے۔

☆ پاکستان جیسے ملک میں اسلام پر عمل نہ کرنا یا بے عملی کا شکار ہو جانا جو گمراہی لاتا ہے وہ بہت سست رفتاری سے آتی ہے جبکہ ہمارے ہی معاشرے میں صنعتی ترقی کے پہلو میں جو غیر ملکی افکار آئے اور بے دینی پھیلی اس نے بے عملی کے عمل کو مہمیز دے کر تیز ترین رفتار دے دی۔ ترقی کے ثمرات کو پورے نہ پہنچے مگر اسلام دشمن، خدابیزار اور وحی ناشناس لبرل اور روشن خیال نظریات ضرور ہمارے معاشرے میں منحوس مغربی آکسفورڈ کیمبرج نصاب کے پیدا کردہ خلا کی وجہ سے جڑ پکڑ گئے۔

☆ اس ملک پاکستان میں ایک مؤثر طبقہ (اگرچہ ان کی تعداد دن بدن کم ہوتی جارہی ہے) اسلام کے ساتھ مخلص اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے وفاداروں کا ہے جو بہرحال ملک میں اسلام کی تعلیمات کو سینے سے لگائے رکھنا چاہتے ہیں، چاہے دنیا میں پیچھے بھی رہ جائیں۔ ان کی سوچ مادی سوچ سے بہت اوپر ایک مسلمان اور اقبال کے مومن کی سوچ ہے اور ان کی نگاہ میں صرف 'مشاہدہ' اور دنیوی فائدہ نہیں بلکہ مرنے کے بعد آخرت بھی ہر دم پیشِ نظر ہے۔

☆ اوپر درج مادّی سوچ کے حامل مخلص و محبّ وطن اہل پاکستان اور مخلص و محبّ وطن حقیقی مسلمان و اقبال کے مردِ مومن یا شاہین اس ملک میں علامہ اقبال کے نظریات کا فروغ، قائداعظم کے فرمودات کی ضیاء اور شہیدانِ پاکستان (وہ مخلص مرد و خواتین اور معصوم بچے جو پاکستان سفر

کرتے ہوئے سفرِ ہجرت میں شہید کردیے گئے یا وفات پا گئے یا وہ باوفا باصفا مسلمان مردوخواتین جنھوں نے اس ملک کے قیام کے لیے جان، مال،عزت، آبرو کی قربانیاں دیں) کی آنکھوں کی ٹھنڈک کے لیے حقیقی اسلامی اقدار کو سربلند کرنا چاہتے ہیں آپس میں دست وگریباں ہیں اور ناراض ہیں اور پاکستان کی فلاح کی راہ میں ہر فریق دوسرے کو رکاوٹ سمجھتا ہے۔

☆ حال میں منعقدہ قومی الیکشن 25 جولائی کے نتائج سب کے سامنے ہیں (اللہ تعالیٰ سے امید واثق ہے کہ یہ الیکشن پرامن طور پر منعقد ہوں گے اور اس کے نتیجے میں ملک میں بہتر فضا پیدا ہوگی اور ہمارا ملک اپنے قیام کے مقاصد کی طرف پیش قدمی کر سکے گا)۔

☆ پاکستان اس لحاظ سے انوکھا اور منفرد ملک ہے کہ اس پر ہر دم اللہ کی رحمت کا سایہ ہے اگر چہ یہاں اب ترقی اور مغربیت کے اثرات پہلے سے کئی گنا ہو گئے ہیں جس کے نتیجے میں غیر ملکی نظریات، کلچر، لباس اور لٹریچر عام ہے۔ موبائل اور انٹرنیٹ نے تو قیامت ڈھا رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہی اصلاحِ احوال کی صورت پیدا فرمادے، آمین۔ جن افراد، ممبران پارلیمنٹ، وزراء، صدر، وزراءاعظم، فوجی وسول بیوروکریسی ممبران نے پاکستان کے اس نظریاتی زوال میں حصہ ڈالا ہے آخرت میں ان کے ساتھ کیا ہوگا وہ تو اللہ جانتا ہے دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ ان کی ذلت ورسوائی کا سامان کرتا رہتا ہے اور کرتا رہے گا تا آنکہ یہ ملک اپنی نظریاتی اساس کی طرف لوٹ جائے۔آمین

شمالی کوریا کے حالات اور امریکی دشمنی کی بات اخباروں کی زینت بنتی رہتی ہے۔ وہاں کے حاکم نے مغربی اثرات کو کم کرنے کے لیے مردوں عورتوں کے لباس سے متعلق ایک قانون نافذ کیا ہے جس کی رو سے مذہبی رملکی نظریات کے خلاف لباس پہننے پر پابندی عائد کر دی گئی ہے۔ کاش پاکستانی قیادت میں بھی کوئی ایسی جذباتی لہر اُٹھے کہ مغرب سے آنے والے تہذیبی وثقافتی سیلاب کا راستہ روکا جاسکے۔

☆ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ ہمارے اس ملک کو سیکولر راہوں سے ہٹا کر واپس اسلامی نظریات کا علمبردار اور بانیانِ پاکستان کے افکار کا نقیب بنادے (آمین) اور ہمیں اس ملک کو حقیقی پاکستان بنانے کے لیے اپنے آپ کو لگا دینے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین

فکرِ اقبال کی روشنی میں

اُمت مسلمہ کے مستقبل کی تشکیلِ نو میں اہل قلم کا رول

ڈاکٹر طالب حسین سیال

(سابق ڈائریکٹر اقبال انٹرنیشنل انسٹیٹیوٹ آف ریسرچ اینڈ ڈائیلاگ انٹرنیشنل یونیورسٹی اسلام آباد)

22 اپریل 2018ء، قرآن آڈیٹوریم جھنگ، 10:30 تا 1:00 بجے ایک اہم سیمینار منعقد ہوا، جس کا عنوان تھا ''فکرِ اقبال کی روشنی میں اُمتِ مسلمہ کے مستقبل کی تشکیل نو میں اہل قلم کا رول''۔ اس سیمینار میں ملک کے معروف اہل علم نے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ سابقہ دو شماروں میں جناب انجینئر مختار فاروقی اور جناب پروفیسر حسن محمود اقبال کے خطاب شائع کیے گئے اور اب جناب ڈاکٹر طالب حسین سیال صاحب کا خطاب بھی افادۂ عام کے لیے ہدیۂ قارئین کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

الحمد للّٰہ ربّ العالمین والصّلاۃ والسلام علی سیّد الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین

گرامی منزلت، صدرِ محفل جناب چودھری محمد امین صاحب، پروفیسر حسن محمود صاحب، انجینئر مختار حسین فاروقی صاحب، معززین شہر (جن میں ریاض مجید صاحب بھی مجھے نظر آ رہے ہیں جو ہمارے کلاس فیلو ہیں) اور نوجوان دوستو، خواتین وحضرات! یہ کتابچہ ''فکرِ اقبال کی روشنی میں اُمت مسلمہ کے مستقبل کی تشکیل نو میں اہل قلم کا رول'' میں نے کئی بار پڑھا ہے۔ مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ کی یہ زبردست تخلیق ہے، انہوں نے یہ خونِ جگر سے لکھا ہے، قلب ونظر کی روشنی سے اس کو لکھا ہے، قرآنِ حکیم کی بصیرت اور علامہ اقبال کی تشریح وتعبیر سے قلم اُٹھایا ہے۔ اس پر میں ان کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ اور واقعی ڈاکٹر محمد اقبال اُمت مسلمہ کی نشأۃ ثانیہ کا خواب دیکھ رہے

تھے۔ انہوں نے مغرب اور مشرق کے علمی سرچشموں سے پیاس بجھائی تھی وہ مشرق کے علم سے بھی واقف تھے اور مغرب کے علوم کے بارے میں بھی جانتے تھے۔ ان کی کتاب "RECONSTRUCTION OF RELIGIOUS THOUGHT IN ISLAM" جو ان کے سات لیکچرز کا مجموعہ ہے، اس میں انہوں نے تقریباً ایک سو مفکرین، سائنسدانوں اور فلاسفرز کا حوالہ دیا ہے جس میں مسلمان بھی شامل ہیں اور غیر مسلم بھی شامل ہیں۔ علامہ اقبال کی بصیرت اور نظر قرآنی تھی۔ 'مسجدِ قرطبہ' ان کی معروف نظم ہے۔ جب وہ قرطبہ میں گئے تھے تو انہوں نے وہاں نماز بھی پڑھی تھی۔ حالانکہ مسجد قرطبہ میں نماز پڑھنے کی اجازت نہیں تھی (2004ء میں مجھے بھی وہاں جانے کا موقع ملا) پھر انھوں نے وہاں اسپین کی یونیورسٹی میں خطاب بھی کیا تھا اور انہوں نے بتایا تھا، اور وہاں کے SPANISH نے اعتراف بھی کیا کہ مغرب کی علمی ترقی مسلمانوں کی مرہونِ منّت ہے، مسلمان جب یہاں سپین میں تھے تو ان سے ہم نے سیکھا اور آج مغرب سائنس کی دنیا میں بہت آگے ہے۔ مسجد قرطبہ نظم کے دو شعر میں ضرور سنانا چاہوں گا۔ یہ نظم شاعری کی اعلیٰ منزل پر ہے، مسجد قرطبہ بھی بہت اعلیٰ منزل پر ہے۔ کچھ ناقدین ادب کا خیال ہے کہ اگر علامہ اقبال صرف مسجد قرطبہ لکھتے اور کچھ نہ لکھتے تو وہ زندۂ جاوید ہوتے۔ مسجد قرطبہ ان کا ادھیڑ عمر کا عشق ہے اور اس نظم کو اگر TECHNICALLY جو شاعری کے اوزان ہیں اور شاعری کے پرکھنے کا معیار ہے اس کی نظر سے دیکھیں، اس کی معنویت کو دیکھیں تو بہت کمال ہے۔ میں آپ کی توجہ کی درخواست کرتا ہوں۔ وہ کہتے ہیں

آبِ روانِ کبیر! تیرے کنارے کوئی

یہ قرطبہ کا دریا ہے جس کے قریب ہی مسجد قرطبہ واقع ہے۔ مسجد قرطبہ کے سامنے مالٹوں کا باغ بھی ہے جیسے پہلے ہوتا تھا اگرچہ انہوں نے مسجد قرطبہ کو کلیسا میں بدلنے کی کوشش کی ہے لیکن اب بھی مسجد وہاں موجود ہے اور عربی اب بھی لکھی ہوئی وہاں نظر آتی ہے۔ تو علامہ اقبال اس دریا کے کنارے کھڑے ہو گئے اور شاعر تھے اور عالم استغراق میں انہوں نے یہ اشعار کہے کہ

آبِ روانِ کبیر! تیرے کنارے کوئی
دیکھ رہا ہے کسی اور زمانے کا خواب

وہ کون سا زمانہ تھا جس کا وہ خواب دیکھ رہے تھے؟ مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کا خواب وہ دیکھ رہے تھے۔آگے وہ اشارہ کرتے ہیں

عالم نو ہے ابھی پردۂ تقدیر میں

میری نگاہوں میں ہے اس کی سحر بے حجاب

یہ جو نیا طلوع ہونے والا زمانہ ہے وہ ابھی پردۂ تقدیر میں ہے لیکن اس کی صبح اور سحر میرے سامنے بے پردہ ہوگئی ہے مجھے نظر آ گیا ہے۔تو علامہ اقبال مسلمانوں کی نشأۃِ ثانیہ کے شاعر تھے اور انھوں نے مسلمانوں کو یہی دعوت دی اور یہ کتابچہ اسی کی صدائے بازگشت ہے۔اس میں ان کی اس بات سے میں سو فیصد متفق ہوں کہ یہ دورِ حاضر عالمگیریت کا زمانہ ہے اور مغرب کی تہذیب کا تسلط ہے ہم یہاں بیٹھے ہیں لیکن مغرب کی سہولتوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں۔انٹرنیٹ، سیل جو آپ کے پاس ہے، ٹیلی فون اور مواصلات کے جتنے ذرائع ہیں یہ سب اہل مغرب کی ایجادات ہیں اور اہل مغرب نے سائنس کے ذریعے دنیا پر تسلط اور حکمرانی حاصل کی۔اب اس عالمگیریت میں سائنس کے بغیر ہم دنیا میں بلند مقام حاصل نہیں کر سکتے۔مسلمان جب تک سائنس اور ٹیکنالوجی میں آگے نہیں آئیں گے پسماندہ رہیں گے جب تک وہ خود کفیل نہیں ہوں گے جہاز بنانے میں، اسلحہ بنانے میں، جدید ایجادات میں جب تک ان کے دست نگر رہیں وہ کبھی آزاد نہیں ہو سکتے IT'S A MYTH OF INDEPENDENCE ہمیں جو آزادی حاصل یہ ایک فریب ہے اور مسلمان آج کیوں مغلوب ہیں اس لیے کہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی طاقت اہل مغرب کے پاس ہے اور ہم مسلمان اس میں بہت پیچھے ہیں۔اہل قلم کو بھی اس بات کی طرف توجہ دینی چاہیے۔ ہماری نئی نسل سائنس کی طرف جاری ہے اور سائنس ہم سے یورپ نے لی THE MUSLIMS WERE THE PIONEERS OF INDUCTIVE METHODS یہ علامہ اقبال نے اپنے لیکچرز میں بتایا ہے۔سائنس اور ٹیکنالوجی میں جب تک ہم خود کفیل نہیں ہوں گے طاقت حاصل نہیں کریں گے ہم مغربیت کا، ہم ان کی عالمگیریت کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔آپ دیکھیں کہ چائنہ بھی اُبھر رہا ہے، اُبھرتی ہوئی معیشت ہے لیکن امریکہ کو وہ بھی آنکھیں نہیں دکھا سکتا WHAT IS THE REASON BEHIND IT? THE DEFENSIVE POWER.

امریکہ کی جو عسکری اور فوجی طاقت ہے وہ چائنہ سے 13 گنا بڑی ہے۔ آج امریکہ جو پوری دنیا میں بدمعاشی دکھا رہا ہے، آج امریکہ جو پوری دنیا کو اپنی مرضی پر چلا رہا ہے اس میں جو طنطنہ ہے جو غرور ہے جو فخر ہے وہ اس کے اعلیٰ اخلاق کی وجہ سے نہیں ہے اس میں وہ انسانی خوبیاں نہیں ہیں بلکہ وہ اس کی سائنس اور ٹیکنالوجی کی طاقت ہے۔

علامہ اقبال نے ہمیں سائنس اور ٹیکنالوجی کے بارے میں بھی بتایا اور انہوں کہا کہ سائنس اور مذہب میں ہم آہنگی ہے اور قرآن بھی ہمیں غور وفکر کی دعوت دیتا ہے۔ اسی لیے انھوں نے کہا کہ

مشرق سے ہو بیزار، نہ مغرب سے حذر کر
فطرت کا اشارہ ہے کہ ہر شب کو سحر کر

مغرب سے بھی علم حاصل کرو، استفادہ کرو الحکمۃ ضالّۃ المؤمن ۔لیکن اب مغرب کی جو سائنس ہے اس کی بنیاد دہریت پر، الحاد پر، فسادِ قلب ونظر پر ہے۔ یہ بڑی اہم بات ہے جس کو اس کتابچے میں زیادہ اُجاگر کیا گیا ہے۔ مغرب کے جو فلاسفرز ہیں آئن سٹائن ہو، برٹرینڈ رسل ہو، کارل مارکس ہو، فرائڈ ہو جتنے یہ فلاسفرز گزرے ہیں جن کی وجہ سے یہ تہذیب پوری دنیا پر غالب ہے اس کی بنیاد لادینیت پر ہے اور لادینیت کی وجہ سے اس تہذیب کے بارے میں انہوں نے اس کتاب میں لکھا ہے کہ

فسادِ قلب و نظر ہے فرنگ کی تہذیب
کہ روح اس مدنیت کی رہ سکی نہ عفیف

عفیف کا مطلب ہے: پاک دامن، عفت مآب

رہے نہ روح میں پاکیزگی تو ہے ناپید
ضمیر پاک و خیالِ بلند و ذوقِ لطیف

I VISITED USA اور میں نے وہاں BALTYMOR میں ایک تحریر دیکھی اس میں لکھا ہوا تھا: VIRGINITY IS NOT A BAD THING (کنوارپن کوئی بری چیز نہیں ہے) تو میں نے اپنے ساتھی سے پوچھا کہ اس کا کیا مطلب ہے؟ کہنا لگا کہ یہاں امریکہ میں جو لڑکی زیادہ دوست نہیں بنا سکتی، سمجھا جاتا ہے کہ اس میں کوئی خوبی نہیں ہے۔ تو بتایا جا رہا کہ VIRGIN

رہنا، عفیف رہنا، پاک دامن رہنا کوئی برائی نہیں ہے۔ اب وہاں کی اخلاقیات اور ہیں ۔ مغرب کی فحاشی اور اخلاقی بے راہ روی نے پوری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ اس لیے علامہ اقبال نے کہا ہے کہ روح میں پاکیزگی نہ رہے تو ضمیر پاک، خیالِ بلند اور ذوقِ لطیف ناپید ہو جاتا ہے۔

میں یہاں ایک اور چیز کا اضافہ کروں گا کہ مسلمانوں کا عروج کا زمانہ سترھویں صدی تک رہا۔ ہمارے اہل قلم اور بالخصوص علماء سے میں درخواست کروں گا کہ ہماری نئی نسل کو صرف یہ نہ بتائیں کہ ہماری خلافت راشدہ چالیس سال تک رہی ۔ یہ درست ہے کہ چالیس سال تک مسلمانوں کی حکومتیں علیٰ منہاج النبوۃ رہیں اور یہ فیضانِ نبوت کا بھی نتیجہ تھا کہ خیـر الـقـرون قرنی ثم الذین یلونھم......۔ لیکن اس کے بعد کے مسلمان حکمران بھی اعلیٰ اخلاق کا نمونہ تھے۔ ہم اپنی پوری تاریخ، اپنی پوری روایات کو چالیس سال کے بعد ختم کر دیتے ہیں ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ ہمارے یہاں ہندوستان میں جو حکومتیں تھیں ان میں بڑے نیک بادشاہ تھے۔ التتمش ایسا بادشاہ تھا جب حضرت بختار کا کی کی وفات ہوئی، تو ان کی وصیت میں تھا کہ میری نماز جنازہ وہ پڑھائے جس نے عصر کی چار سنتیں کبھی نہ چھوڑی ہوں اور تکبیر اولیٰ اس سے قضا نہ ہوئی ہو۔ تو شمس الدین التتمش روتے ہوئے نماز جنازہ پڑھانے کے لیے کھڑے ہو گئے۔ شیر شاہ سوری کی مثال لیجئے، شیر شاہ سوری کو پانچ سال حکومت کرنے کا موقع ملا اور اس کا روزمرہ کا معمول کیا تھا؟ ایک تہائی رات رہتی ہوتی تھی تو فرید شیر شاہ سوری جاگ جاتے، غسل کرتے تھے اس کے بعد وہ تہجد پڑھتے تھے اور تہجد کے بعد پھر وہ وظائف واَوراد کرتے تھے پھر نماز فجر پڑھتے تھے نماز فجر کے بعد باقاعدہ حکومت کے لوگ ان کے پاس آتے تھے، فوجوں کا معائنہ کرتے تھے اور اس کے بعد جو حکام تھے ان سے روداد پوچھا کرتے تھے اور روداد پوچھنے کے بعد پھر آپ اشراق پڑھتے تھے اشراق پڑھنے کے بعد آپ کے سامنے مالیہ اور باقی رپورٹیں پیش کی جاتی، درخواستیں ان کے سامنے پیش کی جاتی پھر آپ باہر سے آئے ہوئے سفیروں سے ملاقات کرتے اور پھر آپ ظہر کی نماز سے پہلے دوپہر کا کھانا کھاتے اور اس میں علماء اور مشائخ بھی دسترخوان پر موجود ہوتے اور ظہر کی نماز سے پہلے دو گھنٹے ذاتی کام کرتے اور قیلولہ کرتے اور پھر ظہر کی نماز پڑھتے، ظہر کی نماز پڑھنے کے بعد پھر قرآن حکیم کی تلاوت کرتے پھر اپنے گورنمنٹ کے کاموں میں مصروف

ہوجاتے اوران کا یہ معمول سفراور حضر میں ہمیشہ جاری رہا۔اس طرح کے ہمارے اور بھی بادشاہ ہیں۔ سلیمان THE MAGNIFICENT فرانس کے حکمران کو خط لکھتا تھا کہ میں تین براعظموں کا بادشاہ ہوں۔اس زمانے میں امریکہ مسلمانوں کا باج گزار تھا۔ وہ جب سمندر سے NAVIGATION کرتے تھے اس کے باقاعدہ پیسے دیا کرتے تھے۔تو اس زمانے میں جو ہماری حکومتیں رہیں اور جو ہماری خلافت رہی اس کا اگر آج کے دور سے تقابل کریں آج کی ورلڈ پاورز سے تقابل کریں تو آپ کو نمایاں فرق نظر آئے گا کہ وہاں شرافت تھی وہاں عفت وعصمت ہوتی تھی خواتین کی عزت واحترام ہوتا تھا، دھوکہ دہی نہیں تھی اور تحمل تھا بردباری تھی۔اگر آپ یہ پڑھنا چاہتے ہیں تو سیّد ابوالحسن ندوی کی کتاب ہے ’’انسانوں پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر‘‘۔اب مسلمان زوال پذیر ہوگئے ہیں۔

اہل قلم کو اور علماء کو بالخصوص آگے آنا چاہیے اور جیسا کہ پہلے نشاندہی کی گئی کہ سب سے بڑی ہماری کمزوری اور ہمارے زوال کی وجہ کیا ہے؟ یہ ٹھیک ہے کہ مغرب کی تہذیب ہم پر اثر انداز ہوگئی ہے لیکن مقابلہ کرنے کے لیے ہم سیسہ پلائی ہوئی دیوار نہیں بنے، ہم میں اتحاد نہیں ہے۔کتنی مسلمانوں کی آبادی ہے؟ اس کتاب میں بھی لکھا ہے لیکن ہماری DIRECTION ایک نہیں ہے، یکجہتی ایک نہیں ہے، فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔اسی لیے اقبال نے کہا تھا

منفعت ایک ہے اس قوم کی، نقصان بھی ایک — ایک ہی سب کا نبی، دین بھی، ایمان بھی ایک
حرمِ پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک — کیا بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں — کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں؟

اور پھر ہم ملکوں میں بٹے ہوئے ہیں، اور مسلمانوں کی میڈیا کی کوئی پالیسی نہیں ہے۔اقبال نے کہا تھا کہ مسلمان ایک دولت مشترکہ تو بنالیں COMMON WEALTH تو کم ازکم ہماری ہونی چاہیے۔ اب ہم ایک دوسرے کے ساتھ برسرِ پیکار ہیں۔اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ وسائل ہمارے پاس ہیں، STATICALLY LOCATION ہماری سب سے اچھی ہے، لیکن ہم اپنی قوت کو کیوں مجتمع نہیں کررہے ہم اپنے آپ کو ایک نہیں سمجھ رہے اذان ہماری ایک ہے قرآن ہمارا ایک ہے لیکن ہم ایک نہیں ہیں اور یاد رکھیے ہم اپنے آپ کو ایک سمجھیں یا نہ سمجھیں غیر ہم کو ایک سمجھتے ہیں وہ ہم

سب کو مسلمان سمجھتے ہیں ان کے نزدیک سعودی ہو، ایرانی ہو، پاکستانی ہو، مراکش کا ہو سب مسلمان ہیں وہ ہمیں ایک نظر سے دیکھتے ہیں کہ جب کبھی ایمرجنسی آجائے گی یہ قوم متحد ہو جائے گی۔

ایک کتاب چھپی ہے "THE POLITICAL ISLAM" جرمنی کا ایک مفکر ہے اُس کی دو تین کتابیں آئی ہیں۔ اس نے ایک جگہ بڑی باریک بینی سے ایک چیز کا جائزہ لیا ہے۔ وہ کہتا ہے اس نے مثال دی ہے کہ مراکش کا ایک پنساری مسلمان ہے وہ دن بھر اپنی دکان پر بیٹھتا ہے، سبزی بھی بیچتا ہے، شراب بھی بیچتا ہے، خنزیر کا گوشت بھی بیچتا ہے لیکن جب جمعہ آتا ہے تو وہ جمعہ کی نماز پڑھنے کے لیے جاتا ہے اور وہاں اس کو اپنے ہم مذہب جو ملتے ہیں ان کے ساتھ وہ ایک ہونا محسوس کرتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ کسی FUNDAMENTAL جماعت کو چندہ بھی دے دے۔ اُس کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ یہ مسلمان جس ملک میں رہتے ہیں اس کے وفادار نہیں ہیں، یہ اپنے اسلام کے وفادار ہیں چاہے ان کا کریکٹر کیسا ہی ہو۔ تو جب امریکہ، فرانس، برطانیہ، روس ساری دنیا ہمیں ایک سمجھتے ہیں، چاہے ہم مختلف خطوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ تو اس لیے میں یہ گزارش کروں گا کہ ہم اپنے اندر اتحاد پیدا کریں، فرقہ بندی سے بالا ہو جائیں۔

قائداعظم محمد علی جناح سے کسی نے شرارتاً پوچھا کہ آپ شیعہ ہیں یا سنی؟ تو قائداعظم محمد علی جناح نے کہا: میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ حضرت محمد ﷺ شیعہ تھے یا سنی؟ میں بس حضرت محمد ﷺ کے دین پر چلنے والا ہوں۔ تو فرقہ بندی سے ہمیں ہٹ جانا چاہیے اور پھر سارے ملکوں کو مل کر کام کرنا چاہیے اور سائنس اور ٹیکنالوجی میں ہمیں آگے جانا چاہیے اور جو ہماری باقی روایات ہیں جیسے انڈیا کی تاریخ اور عباسیہ کی تاریخ اور بنو امیہ کی تاریخ ان میں اچھے اچھے سلطان صلاح الدین، نورالدین زنگی جیسے حکمران گزرے ہیں۔ بچوں کے لیے آپ جو افسانے اور ناول لکھتے ہیں جیسے کسی زمانے میں نسیم حجازی کے ناول بڑے شوق سے پڑھے جاتے تھے۔ آپ اہل قلم اس قسم کے ناول لکھیں اور آپ ایک چیز QAULITY AUTHORSHIP پر توجہ دیں POPULARITY JOURNALISM آپ ایسی کتاب لکھتے ہیں کہ زیادہ بکے، لوگوں کے جذبات جیسے بھی ہوں ان کو مزید ابھاریں، ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ ہم حدودِ شریعت میں رہیں۔ اس کے لکھنے کے بڑے انداز ہیں۔ کچھ لوگوں نے لکھا بھی ہے میرا خیال ہے کہ عمیرا احمد ہے وہ کوئی ناول لکھتی ہے اس کے

بڑے اچھے ناول ہیں ایک اور کراچی کے لکھنے والے ہیں، ’’جب زندگی شروع ہوگی‘‘۔آخرت کے بارے میں انہوں نے لکھا ہے اخلاقی قدروں کی انہوں نے ترویج بتائی ہے۔

میں آخری بات یہ کہتا ہوں کہ ہم روایتی طور عالم صرف اس کو سمجھتے ہیں جو قرآن اور حدیث پڑھتا ہو اور جانتا ہو لیکن جو میں نے قرآن حکیم پڑھا اور مجھ پر جو انکشاف ہوا وہ آپ کے ساتھ شیئر کرنا چاہتا ہوں۔قرآن مجید کی سورۃ نمبر 35 سورۃ فاطر کی آیات 27-28 میں ارشاد ہے

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان سے بارش برسائی

فَاَخۡرَجۡنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخۡتَلِفًا اَلۡوَانُهَا

اور پھر اس سے ہم نے مختلف قسم کے پھل نکالے، جن کے رنگ مختلف ہیں

مالٹا ہے، آم ہے، آلو بخارہ ہے، خربوزہ ہے ان کے رنگ بھی مختلف اور ذائقے بھی مختلف ہیں

وَمِنَ الۡجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيۡضٌ وَّ حُمۡرٌ مُّخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُهَا وَ غَرَابِيۡبُ سُوۡدٌ O

اور پہاڑوں کے درمیان ایسی گھاٹیاں ہیں کہ ان کے رنگ بعض کے سفید ہیں بعض کے سرخ ہیں، مختلف ان کے رنگ ہیں۔ پھر آگے فرمایا

وَمِنَ النَّاسِ وَالدَّوَآبِّ وَالۡاَنۡعَامِ مُخۡتَلِفٌ اَلۡوَانُهٗ كَذٰلِكَ

اور انسانوں میں، پرندوں میں، حیوانوں میں، چوپایوں میں بھی اسی طرح مختلف رنگ والے ہیں

آپ ذرا غور کیا کریں، غور کرنے کی عادت ڈالیں وہ زمانہ تو گیا جب صحن میں سوتے ہوئے ستارے دیکھا کرتے تھے، وہ زمانہ گیا جب اونٹ، بھینسیں اور گائیں چراتے تھے اور پھر پہاڑی علاقے کے لوگ پہاڑوں میں گھاٹیوں میں جاتے تھے تو ان چیزوں پر غور کرتے تھے۔ جیالوجسٹ زمین پر غور کرتا ہے زمین میں کہاں معدنیات ہیں، چٹانوں کی کتنی قسمیں ہیں اور جو حیوانوں کی اقسام پر غور کرتا ہے وہ لائیوسٹاک کا سائنٹسٹ ہے۔ جو انسانوں کے بارے میں جانتا ہے وہ ڈاکٹر ہے جو مکانوں کے بارے میں جانتا ہے وہ انجینئر ہے۔ میرا کہنے کا مطلب ہے کہ یہ سب علوم اسلامی ہیں اگر آپ کی نیت یہ ہے کہ میں بنی نوعِ انسان کی خدمت کرنے والا ہوں۔ اور ایک سائنس دان جب فطرت کے نوامیس کو دریافت کرتا ہے تو اس کے اندر خدا کی معرفت پیدا ہوتی

ہے شرط یہ ہے کہ خدا پر اس کا یقین ہو۔ مغرب کی تہذیب کا خدا پر یقین نہیں ہے مسلمان سائنسدان، مسلمان انجینئر، مسلمان ڈاکٹر پر معرفت کے کئی دروازے کھل سکتے ہیں۔ اب دیکھئے جو بات میں آپ کو کہنا چاہتا ہوں۔ ان آیات میں آگے قرآن کہتا ہے کہ

اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا

بے شک اللہ کے بندوں میں سے علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں۔ اللہ کی معرفت ان کے دل میں اُترتی ہے۔ ان سب چیزوں کے بیان کرنے کے بعد علماء کا ذکر کیا گیا۔ اب یہ قرآن کے علماء بھی مراد ہیں، حدیث کے علماء بھی مراد ہیں، فقہ کے علماء بھی مراد ہیں، بیالوجی، زیالوجی، باٹنی یہ سب علماء اس سے مراد ہیں۔ العلماء ورثة الانبیاء سے مراد وہ بھی انبیاء کے وارث ہیں۔ لیکن میں صرف آپ کو غور کرنے کی دعوت دے رہا ہوں۔ میں نوجوان طبقہ کو زیادہ غور وفکر کی دعوت دیتا ہوں کہ آپ دیکھا کریں۔ اگر آپ ہر چیز میں غور وفکر کریں گے تو پھر صحیح معرفت آپ کے اندر پیدا ہوگی۔

اُمت کی نشأۃِ ثانیہ کے بارے میں جیسا کہ انجینئر مختار حسین فاروقی صاحب نے کہا ہے کہ یہ اب ناگزیر ہے جو حالات ہم دیکھ رہے ہیں کہ مسلمان بیدار ہو رہے ہیں

ع خونِ صد ہزار انجم سے ہوتی ہے سحر پیدا۔ اور زوال اور تخریب کے بعد ہی تعمیر شروع ہوتی ہے لیکن اگر ہم کوشش کریں گے اہل قلم کوشش کریں گے علماء کوشش کریں گے تو یہ بیداری جلدی آجائے گی کیونکہ انسان اپنی تقدیر خود لکھتا ہے بلکہ کائنات کی تقدیر بھی ہم بنا رہے ہیں۔ ہم دنیا کو ایٹموں سے تباہ بھی کر سکتے ہیں اور دنیا کو جنت کا نمونہ بھی بنا سکتے ہیں۔

آخر میں میں پھر مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ کے جوش اور ولولے کو اور ان کے عزمِ صمیم کو سلام پیش کرتا ہوں یہ جس شوق سے اور جس عشق سے لکھ رہے ہیں سچی بات ہے یہ بہت بڑا اللہ کا انعام ہے ذٰلِكَ فَضۡلُ اللّٰهِ يُؤۡتِيۡهِ مَنۡ يَّشَآءُ وَ اللّٰهُ ذُوالۡفَضۡلِ الۡعَظِيۡمِ۔ یہ کوشش کر رہے ہیں کہ اُمت مسلمہ میں بھی ایسی بیداری پیدا ہو جائے اور ان شاء اللہ یہ مغرب کی عالمگیریت کا طوفان تھمے گا اور پھر مسلمان پوری دنیا کو معرفت الٰہی سے اور نبوت ﷺ کے نور سے اور اخلاقیات کے اعلیٰ پیمانوں سے آگاہ کریں گے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔ شکریہ

اسلامی انقلاب کے لیے
ایک روڈ میپ کی ضرورت

رضی الدین سیّد۔ کراچی

اس سوال سے قطع نظر کہ جمہوری انتخابی سیاست سے پاکستان میں کوئی قابلِ لحاظ تبدیلی ہو بھی سکے گی یا نہیں؟ لیکن عالم اسلام میں تیزی کے ساتھ اُبھرتی ہوئی بیداری کی لہر کو ملحوظِ نظر رکھتے ہوئے یہ بات قیاسِ محکم میں آئے بغیر نہیں رہتی کہ پاکستان میں بھی ان شاء اللہ تبدیلی کی یہ لہر ضرور داخل ہوگی۔ حالات یہاں اب اس قدر زیادہ فساد زدہ اور ہولناک ہو گئے ہیں کہ مضبوط دینی شخصیات و انقلابی تحریکات کے سوا ان کا شافی علاج بالیقین اب اور کسی کے پاس ہے بھی نہیں۔ تبدیلیٔ اقتدار کے نتیجے میں آئندہ یہاں جب بھی بے دین و بے نظریہ لوگ حکومتوں میں براجمان ہوں گے، ان کے ہاتھوں سے ملک کی اصلاح تو خیر کیا ہوگی، حالات بلکہ پہلے سے بھی زیادہ ابتر ہوں گے۔ وجوہات پر بات کرنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ سب پر روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔ حالات کے اندرونی دباؤ کے تحت اور باہر سے اٹھنے والی انقلابی لہروں کے پیشِ نظر، عین ممکن ہے کہ طویل تلخ تجربوں کے مارے ہوئے پاکستانی لوگ کبھی مضبوط دینی جماعتوں کے پاس ہاتھ جوڑ کر اقتدار کی باگیں ازخود ہاتھ میں لینے کی درخواستیں کرنے لگیں۔

ایران میں حکومت کی جانب سے تو اسلام خیر نا قابلِ اقتدار بنا ہی دیا گیا تھا لیکن عام افراد بھی خود کسی دینی انقلاب کی طرف راغب نہیں تھے۔ ان کی خواتین بلکہ برہنگی میں دوسرے

تمام مسلم ممالک کی خواتین سے بھی آگے نکلی ہوئی تھیں۔ ترکی و مصر میں بھی اسی طرح انقلابی اسلام کے داعی، اپنی قوم میں محض مسکین افراد کی حیثیت ہی سے دیکھے جاتے تھے۔ لیکن پھر!۔ پھر، ان دونوں ممالک میں وہ سب کچھ ہوا جسے نہ تو ان کی پائیدار و جابر حکومتیں کبھی تصور کرسکتی تھیں، نہ مغرب کے تھنک ٹینکس کبھی اس قسم کی الٹی زقند کا تجزیہ کر سکتے تھے اور نہ خود ایران و مصر کے عوام اپنی اس 'دینی' سوچ کا کبھی گمان کر سکتے تھے۔ حالات و تجربات کی تلخیوں اور امریکی آمریت کے کابوس نے انہیں پھر انہی لوگوں کے پاس پہنچنے پر مجبور کرادیا تھا جنہیں وہ سدا سے ردّ کرتے چلے آرہے تھے۔ اسلام وہاں تب ہمارے دکھوں کا مداوا ہرگز نہیں سمجھا جاتا تھا۔ لیکن انہی ممالک میں آج اسلام کے علاوہ کوئی اور نظام ان کے دکھوں کا مداوا تسلیم بھی نہیں کیا جاتا۔

اسی لئے ہم کہتے ہیں کہ پاکستان کو بھی ان انقلابی لہروں سے بہت دور باہر نہیں رکھا جاسکتا۔ پاکستانی قوم بھی آخرکار اسی کی طرف لوٹ کے آئے گی۔ خواہ راضی وخوشی سے، خواہ مجبوری کی حالت کے باعث! اور بقول قرآن پاک کے کہ طَوْعًا اَوْ كَرْهًا۔ لیکن لوگ اس طرف آئیں گے ضرور۔ دنیا کے آخری دور کے بارے میں نبی ﷺ نے بھی اسی طرح کی ٹھوس پیشین گوئی فرمائی تھی کہ اسلام اپنے آخری دور میں ہر بحر و بر میں، ہر خشک و تر میں، ہر جھگی و محل میں، اور ہر میدان و پہاڑ میں داخل ہوکر رہے گا۔ خواہ لوگ اسے خوشی سے اپنائیں یا بہت زیادہ ذلیل ہوکر (مفہوم)۔ آج کی جاری صورتِ حال اس پیشین گوئی کی بہت عمدہ وضاحت کر رہی ہے۔ مستقبل کی عالمی اسلامی حکومت، یا عالمی خلافت راشدہ کا ہیڈ کوارٹر (صدر دفتر) کس ملک میں ہوگا اس کا فیصلہ عالم الغیب والشہادۃ نے خود اپنی مٹھی میں رکھا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ کہیں لازم قرار نہیں دیا گیا ہے کہ مستقبل کی عالمی خلافتِ راشدہ کی جنم بھومی اب محض سعودی عرب یا پاکستان ہی ہوگی۔ خواہ سعودی عرب کو سرزمینِ 'حرمین الشریفین' ہی کیوں نہ قرار دیا جاتا ہو اور خواہ پاکستان کو کتنی ہی بار عالمِ اسلام کا قلعہ کہہ کر نہ پکارا جاتا ہو۔ ہمارا تجربہ تو بلکہ یہ بتاتا ہے کہ احیائے اسلام کا آغاز عین ممکن ہے کہ مستقبل میں امریکہ، برطانیہ، یا جرمنی سے ہو۔ کیونکہ تعلیم، سائنس، ٹیکنالوجی، عسکری صلاحیتیں اور جذبات سے پُر نومسلم حضرات وہاں اپنے عروج پر ہیں۔

تاہم یہ بھی حقیقت ہے کہ موجودہ دور میں، جبکہ عالمی آقائیانہ طاقتیں کسی بھی ترقی یافتہ

(خصوصاً اسلامی ممالک) کو اپنے آمرانہ و آقائیانہ احکامات کے تحت بری طرح جکڑے ہوئی ہیں، اس حد تک کہ آزاد ہونے کے باوجود، وہ ان کی مرضی کے بغیر کوئی بھی بجٹ یا ترقیاتی منصوبہ نہیں بناسکتے، کسی بھی نظریاتی پارٹی کا اپنے دینی، اقتصادی، و تعلیمی منصوبوں کو آزادانہ بروئے کار لانا ممکن نہیں ہے۔ سرمایہ دارانہ قوتوں کے احکامات، ہدایات، فرامین ہیں جو قدم قدم پر اور آئے دن برسر اقتدار دینی جماعتوں کو اپنی پالیسیاں بدلنے پر مجبور کرتے رہیں گے۔ حال یہ ہوگا کہ وہ محسوس کریں گی کہ بے شک وہ عام انتخابات جیت کر آئی ہیں لیکن عالمی طاقتوں کے مقابلے میں ان کے پاس اختیارات تقریباً صفر ہیں۔ ''ہمارے فرامین پر سر جھکاؤ یا پھر گھر جانے کے لئے تیار ہو جاؤ''۔ ان کے کھلے احکامات ہوں گے، جیسا کہ انہوں نے مصر میں عوامی منتخب صدر محمد مرسی کو آناً فاناً چلتا کر دیا تھا، یا پھر ترکی کے ''سرکش صدر'' رجب طیب اردوگان کے خلاف ایک مضبوط فوجی انقلاب برپا کیا تھا۔ چنانچہ اس ضمن میں ہمیں ایک نظر راستے کی ان کٹھن مشکلات پر بھی ڈال لینی چاہیئے جو بعض اوقات بہت واضح ہیں اور اکثر اوقات پس پردہ ہیں۔

راستے کی کٹھن مشکلات

۱)۔ باہمی اختلافات

حقیقی اسلامی نظام کے نفاذ میں ملک کے اندر ایک دو نہیں بلکہ لاتعداد رکاوٹیں موجود پائی جاتی ہیں۔ آپس کے ہمارے اپنے قومی جھگڑے ہیں، بڑھتے ہوئے خون خرابے ہیں، مسلکوں کی آبیاری ہے اور رگوں کے اندر تک سرایت کئے ہوئے ہمارے اپنے تعصّبات ہیں۔ دینی قوتوں کے کسی بھی اقدام پر کبھی عوام کے ایک طبقے کی جانب سے طوفان برپا ہو رہا ہوگا، کہ اس طرح تو ان کے مسلک کو برباد کیا جا رہا ہے، جبکہ دوسرے کسی بھی اقدام پر کوئی دوسرا طبقہ ان پر جانبداری و مذہب دشمنی کا الزام تھوپ رہا ہوگا۔ لوگ تو دینی جماعتوں کے ہر مذہبی کام کو اپنے مخصوص مسلکی نقطۂ نظر ہی سے پرکھا کریں گے اور اس طرح انہیں ہر وقت تلوار کی سان پر رکھتے رہا کریں گے۔

۲)۔ میڈیا کی یلغار

ان کے علاوہ آج کے دور کے میڈیا کی منہ زور، پُر شہوت، اور ناقابل گرفت قوت ہے

جو ملک میں کسی بھی اچھے فرد یا پاکیزہ کام کو دو قدم بھی آگے نہیں چلنے دینا چاہتی۔ چنانچہ اس منہ زور میڈیا کی اصلاح کی خاطر یہ دینی جماعتیں کیا اقدام کریں گی؟ کیا ان پر جبری پابندی لگا دیں گی؟ یا انہیں عدالتی کارروائیوں سے گذاریں گی؟ عدلیہ کے جو رنگ ڈھنگ ہیں، وہ تو سب کو معلوم ہی ہیں۔ یہ عدالتیں اسلامی قوانین اور حیا وحجاب کی پشتیبان تو شاید کبھی نہ ہوسکیں گی کیونکہ ان کی تعلیم وتربیت بھی تو خود الٹرا ماڈرن انداز ہی میں ہوئی ہے اور ان کے گھروں کے رہن سہن بھی الٹرا ماڈرن انداز ہی کے ہیں۔ عیاشانہ طرزِ زندگی سے نکل کر اسلام کے محض سادہ سے طرزِ زندگی کی طرف عدلیہ بھلا کیوں آنا پسند کرے گی؟ اسلامی نظریات کے نفاذ کی خاطر اگر فتح یاب دینی قوتیں ذرائع ابلاغ کو عدالت ہائے عالیہ وعظمیٰ میں گھسیٹیں گی تو یہ عدالتیں ان قانونی مقدمات کو اٹھا کر پھر سدا کے لیے اپنی الماریوں میں دفن ہی کر دیں گی جیسا کہ بعض مقدمات میں وہ چلن اختیار کرتی چلی بھی آئی ہیں اور پھر اس کے بعد ہمارے 'ملزم' ذرائع ابلاغ ایسی 'مقدس گائے' بن جائیں گے جنہیں پھر کوئی شاید ہاتھ لگانا بھی پسند نہ کر سکے گا۔ اپنے اوپر ہاتھ ڈالنے کے جواب میں یہ ذرائع، دو تین ملک گیر ہڑتالیں بھی کروا سکتے ہیں جو بات منوانے کا فی زمانہ ایک سستا سا نسخہ ''مافیاؤں'' کے ہاتھ آ گیا ہے۔

۳)۔ عالمی طاقتیں

پھر آئی ایم ایف ہے، ورلڈ بینک ہے، امریکی وچینی امداد ہے جو تمام کی تمام تر سود در سود پر مشتمل ہوتی ہے۔ ان کی امداد پھر ان کی ذاتی ہدایات کے ساتھ بھی مشروط ہوتی ہے کہ چار و ناچار ہر حکومت کو ان قوتوں کا غلام بنے رہنا پڑتا ہے۔ پھر

ے
ٹھانی تھی دل میں کہ اب نہ ملیں گے کسی سے ہم
پر کیا کریں کہ ہوگئے ناچار جی سے ہم!

والی بات ہو کر رہ جاتی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ''یا تو ہماری املا شدہ پالیسیاں نافذ کرو۔ یہ چیز مہنگی کرو، اور وہ ادارہ فروخت کر دو یا پھر ''کھاؤ، پیو، اور چلے جاؤ''۔ اب تک جتنے بھی بجٹ آتے رہے ہیں، ان میں ٹیکسوں کی بھرمار ہوتی ہے اور دینی جماعتیں ان بجٹوں پر سخت تنقید ہی کرتی رہ جاتی ہیں۔ اس کے باوجود ہم دیکھتے ہیں کہ ہر حکومت وہی روایتی ظالمانہ بجٹ پیش کرتی ہے۔ ابھی حال ہی

میں نگران حکومت نے پٹرولیم مصنوعات میں جو گراں قدر اضافے کیے ہیں اور جن اضافوں کو اصل حکومت نے جان بوجھ کر چھوڑ دیا تھا، اسی کا نتیجہ تھا کہ اس کی ہدایت 'اوپر کے آقایان' کی طرف سے آئی تھی۔ بظاہر تو ہمیں لگتا ہے کہ ہر حکومت کے اہلکار نا اہل ہیں اس لئے وہ عوام کو جان بوجھ کر دکھ دینا چاہتے ہیں۔لیکن حقیقت کچھ دوسری بھی ہے۔

وہ یہ کہ بجٹ کی تیاری دراصل ہوتی ہی عالمی بینکوں اور امریکی ہدایات کے تحت ہے۔اسی لئے ہر حکومت، خوشی کے ساتھ یا بادلِ ناخواستہ، ان کے احکامات ماننے پر مجبور ہوتی ہے۔ظاہر ہے ریاست نے ان سے بھاری قرض لیا ہوا ہوتا ہے، (اور وہ بھی انہی حاکم طاقتوں کے خاص فرمان پر)۔ اس لئے ان کے احکامات مانے بغیر کوئی چارہ بھی نہیں رہتا۔ بات دراصل ''اِس حکومت'' یا ''اُس حکومت'' کی نہیں ہے بلکہ عالمی ہدایات کی ہے۔اس لئے یہ سوال دیگر سیاسی جماعتوں کے ساتھ، فتح یاب دینی قوتوں کے لئے بھی اہمیت کا حامل ہے۔ ''اگر کبھی وہ قومی بجٹ بنانے بیٹھیں گی تو اس وقت وہ کیا کریں گی؟''۔ کیونکہ ان کے احکامات تو کسی بھی شکنجے میں کسے ہوئے ہوں گے۔

یہ بات درست ہے کہ اختیارات کے حصول کے بعد دینی جماعتیں شاید کفایت شعاری و جُزرسی کا رویہ اپنالیں اور اس طرح ملکی وسائل میں برکت لانے کی کوشش کریں۔تاہم ملکی مالی دیوالیہ پن کا یہ اقدام، مکمل جواب تو پھر بھی ہرگز نہ بن سکے گا۔

نصاب کی اُدھیڑ بن ، دہشت گردی روکنے کی خاطر مزید سرکاری دہشت گردی ، چائلڈ لیبر پر جبری پابندی، دینی رجحان رکھنے والوں پر فوج میں گہری نظر، شہوت و بے غیرتی کے فروغ وغیرہ جیسے معاملات سب کچھ ان کی فراہم کردہ امداد و قرضہ جات ہی کا تو نتیجہ ہیں۔اسی طرح مثلاً، اقوام متحدہ کی بعض دفعات اور قراردادوں کا اطلاق بھی بحیثیت رکن تنظیم ہم پر لازم ہے جو ظاہر ہے کہ ہمارے اسلامی طرز حیات سے عموماً متصادم ہوتی ہیں۔ان سارے معاملات سے چنانچہ پھر یہ دینی جماعتیں آخر کس طرح عہدہ برآ ہوسکیں گی؟ انکار پر پھر انہیں مثلاً اقتصادی پابندیوں کی جکڑ بندیوں (SANCTIONS) یا دیگر آفات کا سامنا بھی کرنا پڑ سکتا ہے۔ یہ ظالم طاقتیں اس قدر بے رحم ہیں کہ چند سالوں کے اندر اندر ہی خوبصورت ممالک شام، عراق

وافغانستان کو کھنڈروں کا ڈھیر بنا کے رکھ دینے میں کوئی شرم و عار محسوس نہیں کرتیں۔

۴)۔ سود

اسی طرح ایک سوال یہ بھی بہت اہم ہے کہ ہمارے بینک کیا حسبِ سابق سود ہی پر کاروبار کرتے رہیں گے؟ کیونکہ سود کے خلاف ایک مقدمہ ملک کی اعلیٰ ترین عدالت میں عرصہ دراز سے پہلے ہی ملتوی پڑا ہے اور محض 'اسلامی' ہونے کی وجہ سے سپریم کورٹ بھی اسے 'برسرمیز' لے کر نہیں آتی۔ چنانچہ مستقبل میں بھی سپریم کورٹ اگر اس مقدمے کو دینی حکومت ہونے کے باوجود اسی طرح چپ چاپ دبائے بیٹھی رہی تو کیا ملک میں سود اسی طرح جاری و ساری رہے گا؟

دلچسپی کی خاطر ہم یہاں ایک انتہائی اعلیٰ ملکی سرکاری وکیل ڈاکٹر ریاض الحسن گیلانی کے دل دہلا دینے والے الفاظ بھی نقل کر رہے ہیں جو انہوں نے اسلامی معیشت کو ردّ کرتے ہوئے کبھی عدلیہ میں پیش کئے تھے۔ انہوں نے عدالت کے اندر علی الاعلان کہا تھا کہ ''قومی معیشت کی بنیاد پر اسلامائزیشن کا عمل قبول نہیں کیا جا سکتا کیونکہ اسلامی اصولوں پر قومی معیشت کا معاملہ بہر حال مقدم قرار پاتا ہے''۔ انہوں نے کہا تھا کہ ''اسلام کی روح کے مطابق کوئی عمل، خواہ حرام اور مکروہ ہی کیوں نہ ٹھہرے، لیکن اگر وہ عوام کے مفاد میں ہو تو بہر حال مُستحسن ہی کہلائے گا۔'' (جسارت و نوائے وقت کراچی ۲۰۰۲۔۶۔۱۹)۔ ظاہر ہے کہ اس قبیل کے لوگوں کا ذخیرہ حکومتی راہداریوں میں وافر پایا جاتا ہے۔

۵)۔ انٹرنیٹ و موبائل

ایک اور خصوصی مسئلہ غیر ملکی ٹی وی چینلوں کا بھی ہے۔ یہ چینل، متعین ہی پاکستان کی نسلوں کو تباہ کر دینے کے لیے ہیں جس کی خاطر نہ جانے کیا کیا غیر اخلاقی اور ''بولڈ'' پروگرام وہ انتہائی دھڑلے سے پیش کرتے چلے آ رہے ہیں۔ دینی حکومت آنے کے بعد تو پھر وہ اسے اور بھی تیز سے تیز کریں گے کیونکہ اسے ناکام بنانا تب ان کی زندگی کا ایک اہم مشن ہوگا۔ اسی طرح پھر ایک اور منسلکہ مسئلہ انٹرنیٹ اور موبائل فونز کا بھی ہے۔ ان پر وہ آخر کیسے قابو پائیں گی؟ کیا سب پر سنسر لگا دیں گی؟ مگر اس طرح تو پھر بغاوت ہو جائے گی۔ نیز عملاً یہ طریقہ ناممکن بھی ہے!

۶)۔ مسلح افواج

ادھر ایک بہت مہیب مسئلہ ہماری افواج کی نیتوں کا بھی ہے۔ اسلامی ممالک، خصوصاً پاکستان کا تو یہ دیرینہ تجربہ رہا ہے کہ وہ جمہوری حکومت کو چلنے نہیں دیتیں۔ اگرچہ کہ اب گذشتہ دس سالوں سے ہماری مسلح افواج نے ایک عظیم موڑ لیا ہے اور سیاسی اقتدار کی بجائے وہ جمہوریت کے فروغ میں دلچسپی لے رہی ہیں۔ ہمارے لگاتار تین چیف آف آرمی اسٹاف جنرل اشفاق کیانی، جنرل راحیل شریف اور جنرل باجوہ اس معاملے میں بے مثل کردار ادا کر رہے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ پوری قوم انہیں سراہ رہی ہے۔ مملکت کی سرحدوں کی محافظت کی خاطر بھی، جو ان کا اصل فریضہ ہے، انہوں نے لاجواب کردار ادا کیا ہے۔ البتہ دیگر مسلم ممالک میں صورت حال مختلف رہی ہے۔ لادینیت کو فروغ دینے میں تو وہ پیش پیش رہی ہیں، تاہم خالص جمہوری یا دینی حکومت کو تمام قومی و عالمی اصولوں کو پامال کرتے ہوئے وہ سال چھ مہینے ہی میں چلتا کر دیتی ہیں۔ جمہوریت عموماً انہیں راس نہیں آتی۔ ماضی قریب میں الجزائر اور ترکی میں، اور ابھی حال میں مصر میں مسلح افواج نے وہاں کی سو فیصد منتخب حکومتوں کے ساتھ جو بے رحمانہ سلوک کیا ہے، اس نے ان ممالک میں امن کے راستے بند کیے اور تشدد کے راستوں کو کھولا ہے۔ تو پھر بھلا اگر ایسی صورتِ حال ہماری دینی منتخب حکومت کے ساتھ بھی کبھی پیش آگئی تب ان کے قائدین کیا لائحۂ عمل ترتیب دیں گے؟ کیا سر جھکا کر واپس اپنے گھروں کو چلے جائیں گے؟

راستے کی رکاوٹیں۔ چند حقیقی مثالیں

درست منصوبوں کی راہ میں رکاوٹیں کس طرح آڑے آتی ہیں، اس کی دو حقیقی مثالیں ہم ذیل میں پیش کرتے ہیں۔

(1) 2013ء کے صدارتی الیکشن میں میاں نواز شریف نے معروف دہشت گرد جماعت متحدہ قومی موومنٹ کو مطلق اہمیت نہیں دی تھی اور اس کے بغیر ہی مرکزی حکومت بنا ڈالی تھی۔ لیکن بدقسمتی سے جب قومی صدارتی انتخاب کا مرحلہ آیا تو مسلم لیگ کے لئے معاملہ یہاں گرداب میں پھنسا ہوا جیسا نظر آیا۔ میاں صاحب نے محسوس کیا کہ سندھ میں تو ان کے پاس دس بارہ ارکانِ

قومی وصوبائی کے سوا کوئی ووٹ ہی نہیں ہیں جبکہ پیپلز پارٹی کے پاس نصف سے زائد ووٹوں کی ملکیت کے باعث نہ صرف یہ کہ صوبے کی حکومت ہے بلکہ قومی میں بھی اس کے قابلِ لحاظ ووٹ موجود ہیں۔ انہوں نے سوچا کہ مسلم لیگ اگر سندھ سے اپنے صدارتی امیدوار کے لئے مطلوبہ ووٹ نہ حاصل کرسکی تو اس کے امیدوار کا کامیاب ہونا مشکل ہوگا۔ چنانچہ ہنگامی طور پر مسلم لیگ کو اپنے تمام اصولوں کو توڑ کر بھاگم بھاگ متحدہ کے پاس جانا پڑا اور منتیں کر کر کے اس کے 'قیمتی' ووٹ حاصل کرنے پڑے۔ حالانکہ میاں نواز شریف اور ان کے ذمے داران کو خوب پتہ تھا کہ متحدہ ایک دہشت گرد اور غیر ملکی ایجنٹ پارٹی ہے اور یہ کہ خود انہوں نے 'لندن معاہدے' میں ہر پارٹی سے متحدہ کو اپنی حکومت سے دور رکھنے کا معاہدہ کیا تھا۔ یہی متحدہ تھی جس نے مذکورہ الیکشن سے ایک ڈیڑھ سال قبل ہی میاں برادران کے بیڈروم کے شرم ناک قصے ذرائع ابلاغ میں بے دردی کے ساتھ اچھالے تھے۔ لیکن ہنگامی صورتِ حال نے مسلم لیگ کو اسی گندی متحدہ کے آگے سجدہ ریز کر دیا تھا۔ یہی وہ متحدہ تھی جس کے خلاف انہی نے اپنے پہلے دورِ حکومت میں ملٹری آپریشن کیا تھا اور ان کے مجرموں کے خلاف فوجی عدالتیں بنائی تھیں۔

ٹیپ کا بند یہاں یہ ہے کہ ایسی صورتِ حال اگر کبھی بالفرض کسی بھی دینی جماعت کو اکثریتی پارٹی ہونے کے باوجود حکومت سازی میں درپیش ہو جائے تو پھر وہ کیا صورت اختیار کرے گی؟ یا تو اصولی سیاست کرتے ہوئے اسے اپنے اہم مہرے کو شکست سے دوچار ہوتے ہوئے دیکھنا پڑے گا یا پھر بدی اور غداری کی قوتوں سے مجبوراً روایتی مصالحت اختیار کرنی پڑے گی جس کے خلاف وہ سدا سے آواز اٹھاتی رہی ہیں اور جسے پتہ ہے کہ اگر انہی شیطانی قوتوں کے آگے وہ سجدہ ریز ہوتی رہی تو نہ صرف یہ کہ ملک کا کبھی بھلا نہیں ہو سکے گا بلکہ حکومت میں ہوتے ہوئے بھی وہ خود بھی بار بار بلیک میل ہوتی رہے گی۔ جیسا کہ انتخابی سیاست میں ہم کبھی کسی ایک شیطانی جماعت اور کبھی کسی دوسری شیطانی جماعت کے ساتھ غیر فطری انتخابی اتحاد کرتے رہتے ہیں۔

(2) اسی طرح کی ایک دوسری حقیقی مثال یہ ہے کہ روزنامہ جنگ کی ایک خبر کے مطابق پاکستان کو یورپی منڈیوں تک رسائی مل جائے گی جبکہ ایک درجہ بنام 'جی ایس پلس' بھی اسے

حاصل ہوجائے گا۔لیکن اس ضمن میں جوشرط پائی جاتی ہے، وہی دراصل ہم سب کے لیے ایک اہم سوال ہے۔شرط یہ ہے کہ ضروری ہے کہ پاکستان اس معاملے میں اپنے ہاں ’’سزائے موت‘‘ کا بالکل خاتمہ کردے یعنی مملکت میں کسی کو بھی موت کی سزا نہ سنائی جایا کرے۔ایک پرانی خبر کہتی ہے کہ حکومت پاکستان نے اگر یہ شرط نہ مانی تو 28 ممالک کی یورپی منڈیوں تک اسے رسائی نہیں حاصل ہو سکے گی۔ چنانچہ یہاں بھی وہی سوال پھران فتح یاب دینی پارٹیوں کے آگے آ کھڑا ہوتا ہے کہ اگر ایسی کوئی پریشان کن صورتِ حال جیتی ہوئی پارٹی کو اپنی حکومت کے دوران درپیش ہوئی تو اس کے لئے وہ کیا راستہ اختیار کرے گی؟ شریفانہ پسپائی یا ڈکٹیشن پر مصالحت؟

چنانچہ یہی وہ اہم امور ہیں جن پر دینی شخصیتوں کو سنجیدہ توجہ دینی چاہئے۔ان کی خدمت میں عرض ہے کہ حکومت کی ذمے داریاں فی الواقع اٹھانے سے پہلے سکون کے ماحول میں اگر وہ کوئی ہوم ورک کرلیں تو کیا اچھی بات نہیں ہوگی؟ تاکہ کل کوئی بڑی رکاوٹ انہیں درہم برہم نہ کر سکے؟ بے حد کٹھن جدوجہد اور ستر اکہتر سالوں کی کشمکش کے بعد اگر لوگ اقتدار دے کر انہیں اپنے مسائل کے حل اور دین کے نفاذ کی ذمے داریاں عطا کریں تو کیا اسے پائیدار بنانے میں ان کی تمام تر توجہ نہیں ہونی چاہئے؟ فی الوقت تو غالباً کسی بھی دینی سیاسی تحریک کا کوئی عمدہ تھنک ٹینک موجود نہیں ہے!

ایک روڈ میپ کی ضرورت

چنانچہ یہ اور اس طرح کے لاتعداد دیگر بنیادی (Core) سوالات ہیں جن کا سامنا دینی جماعتوں کو اپنی آزادانہ وخودمختارانہ حکومتوں کے دوران کرنا پڑے گا اور یہی وہ بنیادی مسائل ہیں جن کی طرف راقم اس تحریر کے ذریعے توجہ دلانا چاہتا ہے۔یہ بڑا سوال کہ دینی جماعتوں کے چھوٹے بڑے ذمے داران نے کیا ان تمام رکاوٹوں سے نبرد آزما ہوجانے کے لئے کوئی روڈ میپ بھی بنایا ہے؟ کوئی بلیو پرنٹ بھی تیار کیا ہے؟ اور کوئی مؤثر حکمتِ علمی، بھی ’عرصۂ استراحت‘ کے دوران طے کی ہے؟

وقت ہے کہ ابھی وہ سوچ بچار کرلیں، نقشہ ہائے کار تیار کرلیں اور نظریاتی اسلام کے متوازی "APPLIED ISLAM" کے اسباق بھی تحریر کرلیں۔ ہمارے سامنے اس وقت چونکہ

ایران اور ترکی کی تقریباً مستحکم وفعّال حکومتیں موجود ہیں جنہیں مندرجہ بالا مسائل سے کہیں زیادہ بڑے مسائل سے بار بار گذرنا پڑا ہوگا۔اس لئے لازم ہے کہ مستقبل کی عناں گیری کی خاطر یہ لوگ ان کے ساتھ بھی شاگردانہ رابطے رکھیں اوران سے بھی ان کے عملی ہنراور گُر سیکھیں۔

ملک کی اندرونی وبیرونی قوتیں شیطانی اور بہت بے رحم ہیں۔انہوں نے پاکستان بننے کے فوری بعد وزیراعظم لیاقت علی خان کو گولی مار کر شہید کر دیا تھا،ضیاء الحق کو طیارے ہی میں ہلاک کر دیا تھا،مشرقی پاکستان سے خطرہ محسوس کر کے اسے بلا جھجک کاٹ کر علیحدہ کر دیا تھا اور لال مسجد کی معصوم ننھی ننھی طالبات کو آتش گیر مادہ پھینک کر اندر ہی اندر بھسم کر دیا تھا۔لہٰذا وہ کبھی نہ چاہیں گی کہ اب کسی اور نئے ملک،خصوصاً پاکستان میں تو ضرور،ایک اور نئے اسلامی انقلاب کا سورج طلوع ہو۔ترکی میں انہوں نے یہی کچھ کیا تھا۔ابتدائی دو تین تحریکی حکومتوں کو انہوں نے وہاں ان کے ایک دوسالہ عرصے کے دوران ہی اکھاڑ کر پھینک دیا تھا۔یہ حشر انہوں نے کبھی الجزائری تحریکی حکومت کا بھی کیا تھا اور یہ ڈرامہ اب انہوں نے مصر میں بھی کھیلا ہے۔لہٰذا پاکستان بھی ان کی شراتوں سے ہرگز مستثنیٰ نہیں ہوسکتا۔شیطانی قوتوں کے ہاتھ پاؤں باندھ دینے کے لئے ہمیں بھی ابھی سے لائحۂ عمل طے کرلینا چاہیے۔گہری سوچ بچار کے اور ہر پہلو پر محیط لائحۂ عمل کے بغیر حکومت میں آنے کے بعد دینی جماعتوں کے لیے بے شمار ناقابل عبور مشکلات کھڑی ہوجائیں گی۔

---

70 سال کی فلسطینی نکبت

محسن فارانی

faheemfarani@gmail.com

دو ہفتے پہلے استنبول (ترکی) میں اسلامی سربراہی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں امریکہ کے سفارت خانے کی بیت المقدس منتقلی کے یہودنواز اِقدام کی مذمت کی گئی لیکن کسی ایک نے بھی امریکہ کے سفارتی یا اقتصادی بائیکاٹ کے سلسلے میں کوئی اقدام نہیں کیا کیونکہ سب امریکہ کے دباؤ میں ہیں جس نے ستر سال پہلے فلسطین پر اسرائیلی قبضے کو ممکن بنایا تھا۔ 70 برس یہود کی دغابازی اور حیلہ سازی، دنیا بھر کے یہودیوں کی فلسطین میں غاصبانہ آبادکاری، فلسطین کے اندر اور باہر فلسطینی خیمہ بستیوں کے قیام اور ان میں ہولناک اسرائیلی خونریزی سے عبارت ہیں۔ یہودیوں نے 14 مئی 1948ء کو اسرائیل کے قیام کے بعد لاکھوں فلسطینیوں کو ان کے گھروں سے بیدخل کر دیا تھا جسے مظلوم فلسطینی نکبہ (تباہی و بربادی) کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ وہ بے گھر فلسطینی اب تک غرب اردن (West Bank)، اردن، غزہ کی پٹی، لبنان اور شام کی خیمہ بستیوں میں مقیم ہیں۔ وہ مصائب اور بھوک کے مارے ہیں اور ان بستیوں میں انسانی سہولتیں ناپید ہیں۔ یہ گویا انسانی باڑے ہیں جن کی گلیوں میں سیور کا گندہ پانی بہتا ہے۔ 1982ء میں لبنان کے فلسطینی کیمپوں صبرہ وشتیلا میں اسرائیلی قصاب جنرل شیرون نے مسیحی حدّاد ملیشیا سے مل کر ہولناک دہشت گردی کی جس میں فلسطینی مرد، عورتیں اور بچے ان درندوں نے بڑی سفاکی سے شہید کر دیے تھے، وہی ظالم ایرل شیرون بعد میں اسرائیلی وزیراعظم بنا۔

ستر سال کے اسرائیلی قبضے کا ایک نتیجہ کنکریٹ کی وہ ظالمانہ دیوار ہے جو مقبوضہ غربِ اردن کے فلسطینیوں کو بہت بڑی ''جیل'' میں محدود کر چکی ہے۔ اسرائیل کی سکیورٹی کے بہانے 1949ء کی جنگ بندی لائن (خط الاخضر) کے ساتھ ساتھ غربِ اردن کے اندر تعمیر کردہ اس دیوار نے غربِ اردن کا خاصہ علاقہ اس سے کاٹ ڈالا ہے اور یوں فلسطینی اپنے ہی بھائی بندوں سے کٹ کر رہ گئے ہیں۔ یہ ابلیسی دیوار مشہورِ زمانہ دیوارِ برلن (1961ء تا 1989ء) سے لمبائی میں تین گنا زیادہ ہے اور اس سے دگنی بلند ہے۔ اس دیوار کے ذریعے سے فلسطینیوں کی خاصی اراضی ان سے چھین کر اسرائیل میں شامل کر لی گئی ہے، نیز یہودیوں کے لیے غاصبانہ طور پر قائم شدہ بہت سی بستیاں ختم کرنے کے بجائے باقاعدہ اسرائیل کا حصہ بنا لی گئی ہیں۔ یہ ساری کارروائیاں ارضِ فلسطین کے کسی حصے پر آزاد فلسطینی مملکت کے قیام کو ناممکن بنانے کے لیے کی جا رہی ہیں۔ یہود نواز امریکی صدر ٹرمپ کا امریکی سفارتخانہ تل ابیب سے یروشلم منتقل کرنے کا اعلان بھی اسی ابلیسی منصوبے کا حصہ ہے۔

جہاں تک بیت المقدس (یروشلم) کا تعلق ہے جسے عربی میں القدس کہا جاتا ہے، اس کے مشرقی حصے میں مسلمانوں کا قبلۂ اول مسجد اقصیٰ ہے۔ اس مقدس احاطے کے شمال میں قبۃ الصخرہ (Dome of the Rock) ہے اور جنوب میں مسجد اقصیٰ۔ یہیں مکہ سے معراج کی رات اللہ کے آخری نبی محمد ﷺ آسمانوں پر تشریف لے گئے تھے۔ 1004 ق م سے 586 ق م تک بیت المقدس سیّدنا داؤد اور سلیمان علیہما السلام کی سلطنت، پھر شاہانِ یہودیہ کی ریاست میں شامل رہا۔ پھر بخت نصر کی بابلی سلطنت اس پر قابض رہی حتیٰ کہ 539ء میں کورش کبیر یا سائرس اعظم (ذوالقرنین) نے فلسطین پر قبضہ کر لیا۔ 332 ق م میں سکندر اعظم مقدونی یونانی نے یروشلم فتح کر لیا اور پونے تین صدیوں تک اس پر یونانی قابض رہے۔ پہلی صدی ق م سے 637ء تک یروشلم رومیوں کے تسلط میں رہا۔ 330ء کے بعد رومیوں کے بت خانوں کی جگہ مسیحی گرجوں نے لے لی تھی کیونکہ قیصر قسطنطین اعظم کے عیسائی ہو جانے سے رومی سلطنت کے بیشتر باشندے عیسائیت کے حلقہ بگوش ہو گئے تھے۔ اسلامی دور میں جنگِ یرموک کی فتح (636ء) سے شام اور فلسطین اسلامی سلطنت کا حصہ بن گئے۔ سیّدنا فاروق اعظم کے ہاتھوں بیت المقدس (ایلیاء)

637ء میں فتح ہوا تھا۔اس کے بعد فلسطین مسلسل اسلامی خلافت وسلطنت میں شامل رہا سوائے صلیبی جنگوں کے 88 سالہ عرصے کے جب صلیبی جنگجو 1099ء سے 1187ء تک بیت المقدس پر قابض رہے اور انھوں نے مسجد اقصیٰ کو گرجا بنا لیا تھا جسے سلطان صلاح الدین ایوبی نے بیت المقدس فتح کر کے مسجد کی شکل میں بحال کیا۔

1917ء سے 1948ء تک فلسطین پر برطانیہ قابض رہا جبکہ 1967ء تک غرب اردن اور مشرقی بیت المقدس پر اردن کا کنٹرول تھا۔اب بھی حرم شریف یعنی مسجدِ اقصیٰ اور قُبّۃ الصخرہ کا انتظام اردن کے محکمہ اوقاف کے ہاتھ میں ہے تاہم یہودی بار بار مسجد اقصیٰ کی بے حرمتی کے مرتکب ہوتے ہیں۔مئی کے آخر میں 300 سے زائد یہودیوں نے اسرائیلی فوج اور پولیس کی حفاظت میں مسجد اقصیٰ کے اندر داخل ہو کر اس کی بے حرمتی کی اور اس کے اندر گانے بجانے کی مذموم حرکتیں کیں۔یہی نہیں یہودیوں نے ان علاقوں میں 200 سے زیادہ مسجدوں کی بے حرمتی کی ہے جن پر 1948ء میں اسرائیل نے قبضہ کر لیا تھا اور انھیں شراب خانوں، پبلک ہالز، ہوٹلوں، رقص گاہوں، حیوانی باڑوں اور سینما گھروں میں بدل رکھا ہے جہاں فحش فلمیں دکھائی جاتی ہیں۔ 1948ء کی عرب اسرائیل جنگ میں اسرائیلی بیت المقدس شہر کے مغربی حصے پر قابض ہو پائے تھے جبکہ مشرقی بیت المقدس اور غرب اردن پر اردن کی فوج نے قبضہ کر لیا تھا۔اس سے پہلے برطانیہ نے 14 مئی 1948ء کو جمعیت اقوام اور اقوام متحدہ کا دیا ہوا ناجائز مینڈیٹ اچانک ختم کر دیا تھا۔ چاہیے تو یہ تھا کہ فلسطین پر غاصبانہ طور پر قابض برطانیہ اقوام متحدہ کی قرداد تقسیم فلسطین (اکتوبر 1947ء) کی پاسداری کرتے ہوئے بیت المقدس میں مملکت فلسطین کی تشکیل کر کے اسے اقتدار سونپتا مگر برطانوی سامراج فلسطین کو معلق چھوڑ کر چلتا بنا تاکہ جدید ترین یورپی اسلحے سے لیس یہودی فلسطین کے زیادہ سے زیادہ رقبے پر قبضہ کر سکیں، چنانچہ اسرائیلیوں نے عربوں سے لڑ بھڑ کے فلسطین کے 78 فیصد رقبے پر قبضہ کر لیا حالانکہ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے قرارداد تقسیم میں یہودیوں کو 55 فیصد رقبہ الاٹ کیا تھا۔ جون 67ء کی جنگ میں اسرائیل نے فلسطین کے بقایا 22 فیصد رقبے پر بھی تسلط جما لیا۔اس طرح اسرائیلیوں نے غزہ، غرب اردن اور مشرقی یروشلم بھی ہڑپ کر لیے۔

اسرائیل دنیا میں واحد مملکت ہے جس کی کوئی متعین حدود نہیں۔ اسے 1949ء میں امریکی سرپرستی میں اقوام متحدہ کی رکنیت بھی مل گئی جبکہ اسرائیل نے آج تک عالمی ادارے کی کوئی قرارداد تسلیم نہیں کی۔ سلامتی کونسل کی قرارداد نمبر 242 اسرائیل کو 6 جون 1967ء سے پہلے کی سرحدوں پر واپس جانے کا پابند بناتی ہے مگر اسرائیل اسے تسلیم کرنے سے مسلسل انکاری ہے۔ یہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ اسرائیلی پارلیمنٹ کنیسٹ کے صدر دروازے پر لکھا ہے ''اسرائیل تیری سرحدیں نیل سے فرات تک ہیں'' گویا اسرائیلی مصر سے لے کر شام اور عراق تک کی سرزمین پر قابض ہونے کے دعویدار ہیں۔

مئی 1948ء میں قیامِ اسرائیل کے بعد 68 برسوں میں آٹھ لاکھ فلسطینی باشندے جیلوں میں ڈالے گئے ہیں گویا ہر چار فلسطینیوں میں سے ایک فلسطینی مسلمان اسرائیلی درندوں کے ظلم کی نذر ہو گیا۔ نیز 72 فیصد فلسطینی مرد جیلوں میں بند کیے گئے یعنی ہر دو میں سے ایک مرد اسرائیلی جیلوں میں اذیت اٹھاتا رہا ہے۔ ایک عرب صحافی کے بقول ''اسرائیلی یہودی بندروں کے بھائی ہیں'' جیسا کہ قرآن مجید میں آیا ہے کہ ''ایلہ'' یا ''ایلات'' کے نافرمان یہودیوں کو ''ذلیل بندر بنا دیا گیا'' (سورۃ البقرہ) اسرائیلی یہودی اس قدر سنگ دل ہیں کہ فلسطینیوں پر ظلم ڈھاتے ہیں اور ان کا مذاق بھی اڑاتے ہیں۔ یہودی مذہبی رہنما جو حاخام کہلاتے ہیں، ان کے فتوے ہیں کہ فلسطینیوں کو قتل اور قید کرنا اور ان کے گھروں پر قبضہ کرنا جائز ہے۔

29 مئی 2018ء کو قابض صہیونی فوج نے غزہ کی پٹی کے ساحل پر نو بحری میل تک بفر زون قائم کر دیا جس کا مقصد یہ بتایا گیا کہ فلسطینی مزاحمت کاروں کی سمندر کے راستے اسرائیل میں دراندازی کی کاششیں ناکام بنانی ہیں، حالانکہ اوسلو معاہدہ کے مطابق فلسطینی بحیرہ روم میں 20 میل تک ماہی گیری کر سکتے ہیں۔ فلسطینیوں نے کشتیوں پر سوار ہو کر احتجاج کیا تو اسرائیل نے ایک کشتی پکڑ لی جس پر 17 افراد سوار تھے۔ اسی روز اسرائیلی فوج نے بیت المقدس میں محمد حجیج اور سعید عجلونی کو گرفتار کر لیا جو ڈھول بجا کر مسلمانوں کو سحری کے لیے بیدار کر رہے تھے۔ 2 دن پہلے اسرائیلی پولیس نے محمود بدر، احمد حواش اور محمد قلیب کو یہ کہہ کر تشدد کا نشانہ بنایا کہ وہ شور شرابا کر کے یہودی آبادکاروں کو تنگ کر رہے تھے۔ علاوہ ازیں اسرائیلی فوج نے 28 مئی کو رام اللہ

(غرب اردن) میں پناہ گزینوں کے عماری کیمپ پر حملہ کر کے 13 فلسطینی زخمی کیے اور کئی گرفتار کر لیے۔حملہ اس لیے کیا گیا کہ کیمپ پر 24 مئی کے حملے میں ایک اسرائیلی فوجی سر پر پتھر لگنے سے دو روز بعد ہلاک ہو گیا تھا۔اس سے پہلے 4 مئی 2018ء کو اسرائیلی فوج نے غزہ کے چھ مقامات پر گولہ باری کر کے 1100 فلسطینی زخمی کر دیے تھے۔اب تک غزہ کی پٹی پر اسرائیلی حملوں میں 119 فلسطینی شہید ہو چکے ہیں جن میں حجاب پوش رضا کار نوجوان نرس رزان نجار بھی شامل ہیں۔21 سالہ رزان کو اس وقت گولی لگی جب وہ خان یونس کے مشرق میں سرحدی باڑ پر زخمی ہونے والے احتجاجی مظاہرین کی مدد کو پہنچی تھیں۔انھوں نے ہاتھ کھڑے کر کے اپنے رضا کار ہونے کا اشارہ بھی کیا لیکن ظالم اسرائیلی فوجیوں نے ان کے سینے میں گولیاں داغ دیں۔

ایلومیناتی سیاست
اور دجال کی عالمی حکومت

رفیق چودھری
almisaq@gmail.com

ILLUMINATI ایک سیکرٹ سوسائٹی کا نام ہے جس کی بنیاد ADAM WEISHAUPT نے یکم مئی 1776ء میں جرمنی کے شہر INGOLSTADT میں رکھی۔ یہ لوگ علانیہ لوسیفر (شیطان) کی پوجا کرتے ہیں اور اسے خدا مانتے ہیں۔ مغرب اور امریکہ میں یہ تنظیم اور اس کے اہداف اور مقاصد اب کسی سے ڈھکے چھپے نہیں رہے۔ مغربی میڈیا کے ساتھ ساتھ ہمارے ذرائع ابلاغ میں بھی یہ بات مشہور ہے کہ سابق امریکی صدور جمی کارٹر، بش جونیئر اور سینئر سمیت بڑے بڑے سیاستدان، راک فیلر اور روتھ چائلڈ جیسے دنیا کے سب سے بڑے سرمایہ دار اور بینکرز ایلومیناتی کے ممبرز رہے اور ہیں۔ دنیا میں یہ بات مانی جارہی ہے کہ الومیناتی اور فری میسنز دنیا میں دجال کی عالمی حکومت کے قیام کے لیے کوشاں ہیں۔

اس خیال کو تقویت اس بات سے بھی ملتی ہے کہ ایلومیناتی اور فری میسن تنظیموں کا سمبل دجال کی ایک آنکھ والا اہرام ہے جس کا عکس امریکی ڈالر پر بھی واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے۔ اسلام جو تعلیمات ہمیں دیتا ہے ان میں قربِ قیامت میں دجال کی آمد کا ذکر موجود ہے۔ وہ شیطان کا ہی دوسرا روپ ہوگا جو خود کو خدا کہلوائے گا۔ جو لوگ اسے خدا مانیں گے انہیں دنیا میں عزت، دولت، شہرت اور سب کچھ ملے گا لیکن جو لوگ اس کا انکار کریں گے ان کے لیے یہ دھرتی تنگ ہو جائے گی۔ آج بین الاقوامی میڈیا کے تھرو یہ بات سامنے آرہی کہ دنیا میں کئی لوگ دولت،

شہرت اور کامیابی کے لیے ایلومیناتی کے ممبر بنتے ہیں۔ان میں اداکار، گلوکار، صحافی بھی شامل ہیں اور کئی ایسے سیاستدان بھی جو الیکشن جیت کر میدان سیاست میں نام کمانا چاہتے ہیں۔ اسلام کی تعلیمات کے مطابق دجال کا فتنہ اتنا بڑا فتنہ ہے کہ اس سے ہر پیغمبر اور رسول نے پناہ مانگی ہے اور اپنے پیروکاروں کو ڈرایا ہے۔ شاید اس لیے کہ شیطان اس فتنے کو اس قدر فریب، دجل اور مکر کی مختلف چالوں کے ذریعے پھیلائے گا کہ لوگوں کو اندازہ ہی نہیں ہو پائے گا کہ وہ دجال کے فتنے کا شکار ہو گئے ہیں۔ مثال کے طور پر:

بحیثیت مسلمان ہم اپنے دل میں ایلومیناتی اور فری میسنز سے شدید نفرت اور کراہت اس لیے محسوس کرتے ہیں کہ وہ شیطان کے پیروکار ہیں اور دنیا پر شیطانی تہذیب اور عالمی دجالی حکومت کا راستہ ہموار کر رہے ہیں۔ لیکن دوسری طرف وہی کام ہم ذرا دوسرے ڈھنگ سے کر رہے ہیں۔ ایلومیناتی شیطان کی پوجا کرتے ہیں اور اس سے مدد حاصل کرتے ہیں تو وہی کام ہمارے ہاں گلی کوچوں میں بیٹھے ہوئے پیر، جادوگر اور عامل کر رہے ہیں اور ہم یہ جانتے ہوئے بھی کہ یہ شیطان کے پیروکار ہیں اور شیطانی ذُرّیات سے کام لیتے ہیں اپنی مرادیں لے کر ان کے پاس جاتے ہیں۔ یہ عامل اور جادوگر پکڑے جائیں تو 'جعلی پیر' قرار پاتے ہیں لیکن جب تک پکڑے نہ جائیں تو اصلی پیر اور مُرشد ہی رہتے ہیں۔ عام عوام تو ان کے آستانوں پر ماتھا ٹیکتی ہی ہے لیکن بڑے بڑے سیاستدان بھی وہاں سجدہ ریز نظر آتے ہیں۔ ان آستانوں پر عام دنوں میں بھی عوام کا جمعہ بازار لگا ہی رہتا ہے لیکن خاص طور پر الیکشن سے ذرا پہلے وہاں چاندرات کا سا سماں ہوتا ہے۔ کئی MNA، MPA الیکشن کے بعد بھی سب سے پہلے ان آستانوں پر حاضری دیتے ہیں۔ جیسے ان کی جیت میں اصل کردار عوام کے ووٹ کا نہیں بلکہ ان آستانوں کا ہو۔ ظاہر ہے ایم پی ایز اور ایم این ایز اس پر ایمان رکھ کر ہی وہاں جاتے ہیں تو پھر سوچیے! بننے والی حکومت عوام کی ہوگی یا پھر............؟

اسی طرح قبضہ مافیا، ڈرگ مافیا اور ٹمبر مافیا کا ان آستانوں سے ایک خاص تعلق جڑا رہتا ہے، بیوروکریسی کے کئی لوگ اپنی ترقی اور تنزلی کو ان آستانوں سے جوڑتے ہیں، فلم انڈسٹری، ٹی وی اور میڈیا کے کئی کردار ان آستانوں سے دولت، شہرت اور کامیابی کی اُمید رکھتے ہیں۔ یہی کام

اگر مغربی دنیا میں الومیناتی کر رہے ہیں تو ہم اسے شیطانیت اور دجالیت کا نام دیتے ہیں لیکن وہی شیطانی دھندا اگر یہاں پیر، عامل، جادوگر کریں تو ہم اسے روحانیت کہتے ہیں۔ اب یہ کونسی روحانیت ہے؟ ایک اور اینگل سے دیکھتے ہیں:

سکھ اپنے گرو کی قبر پر سجدہ کرتے ہیں اور ہندو دیوی / دیوتاؤں کے بت بنا کر ان کی پوجا کرتے ہیں۔ وہ بھی اس کو روحانیت ہی کہتے ہیں۔ بلکہ انڈیا تو خود کو روحانیت کا سب سے بڑا گڑھ سمجھتا ہے۔ حتیٰ کہ انڈیا کے پرچم میں موجود 'چکر' روحانیت ہی کا سمبل ہے۔ یہی چکر بھارتی کھلاڑیوں کی وردیوں پر بھی سینے پر سجا نظر آتا ہے۔ سکھوں کے نزدیک ربّ ان کی روحانی ہستی یعنی گروہ کی شکل میں موجود ہے جبکہ ہندوؤں کے نزدیک دیوی دیوتا ایسی شکتیاں (روحانی قوتیں) ہیں جو ایشور (خدا) ہی کا روپ ہیں۔ جبکہ خود اللہ کہتا ہے:

اِنۡ یَّدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِہٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَ اِنۡ یَّدۡعُوۡنَ اِلَّا شَیۡطٰنًا مَّرِیۡدًا (النساء:117)

''نہیں پکارتے یہ لوگ اللہ کے سوا مگر دیویوں کو' اور وہ نہیں پکارتے کسی کو سوائے سرکش شیطان کے۔''

شیطان نے قسم کھائی تھی کہ جس آدم (کو سجدہ نہ کرنے) کی وجہ سے وہ ذلیل ہوا ہے اُسے بھی وہ ذلیل و رسوا کر کے چھوڑے گا (یعنی اپنے دَر پر سجدہ کروا کے چھوڑے گا) چنانچہ شیطان نے بنی آدم کے لیے اپنا جال مختلف عنوانوں سے پھیلا رکھا ہے اور حقیقت میں اصل دجل تو ہے بھی یہی کہ لوگ جسے روحانیت سمجھ کر اپنائیں وہ اصل میں شیطانیت ہو۔ انسانوں کی کثیر تعداد آج اس فتنۂ دجال میں پھنس کر شیطان کی اس قسم کو پورا کر رہی ہے مگر انہیں اس کا احساس ہی نہیں۔ کیونکہ دجل کا کمال یہی ہے کہ لوگ اسے روحانیت ہی سمجھ رہے ہیں۔ حالانکہ روح ایک پاکیزہ شے ہے جو انسان کا تعلق غیر اللہ سے توڑ کر اللہ سے جوڑتی ہے کیونکہ انسان کے اندر روح ہی ایک ایسی چیز ہے جو اللہ کو جانتی بھی ہے اور پہچانتی بھی ہے کیونکہ ہر انسان کی روح اس عہد کی گواہ ہے جو اس نے ازل میں اپنے رب سے کیا ہے:

''اور جب آپ (ﷺ) کے رب نے اولادِ آدم کی پشتوں سے ان کی اولاد کو نکالا اور ان کو ان کے نفسوں پر گواہ بنا کر اقرار لیا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ تو سب

نے جواب دیا کیوں نہیں ! ہم سب گواہ ہیں۔ (یہ عہد اس لیے تھا) تاکہ تم لوگ قیامت کے دن یوں نہ کہو کہ ہم تو محض اس سے بے خبر تھے۔ یا یوں کہو کہ پہلے پہل شرک تو ہمارے بڑوں نے کیا اور ہم ان کے بعد ان کی نسل میں پیدا ہوئے سو کیا ان غلط راہ والوں کے فعل پر تو ہمیں ہلاکت میں ڈال دے گا‘‘۔ (الاعراف:۱۷۲،۱۷۳)

اس عہد (میثاق ازل) کی بنیاد پر ہی انسان کی اس دنیا میں آزمائش ہو رہی ہے کہ آیا وہ اللہ کو ہی ربّ مانتا ہے یا کسی اور کو رب کا درجہ دے رہا ہے۔ تمام آسمانی کتابیں اسی عہد کی تجدید کی لیے نازل ہوئیں اور تمام پیغمبر اسی دعوت کی تجدید کے لیے بھیجے گئے کہ صرف اللہ ہی کو اپنا رب مانو، وہ ایک ہے، اس کا کوئی ثانی ہے اور نہ اس کا کوئی اور روپ ہے۔ چنانچہ جس انسان تک پیغمبروں اور آسمانی کتابوں کی ہدایت نہ بھی پہنچی ہو وہ بھی اگر اپنی روح کی آواز کو سنے گا تو وہ حقیقی رب کو چھوڑ کر کسی دوسرے در پر نہیں جائے گا۔ کیونکہ یہ عہد ہر انسان کی فطرت میں شامل ہے۔ اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

’’ہر بچہ دینِ فطرت (اسلام) پر پیدا ہوتا ہے، پس اس کے ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں‘‘۔

اگر ایسا سلیم الفطرت انسان قرآن کا مطالعہ کرے اور صرف اللہ کی عبادت کرے تو اس کا تعلق اس کائنات کے حقیقی رب سے اور مضبوط ہو جائے گا، وہ گناہوں سے بچے گا اور نتیجہ میں اس دنیا کی آزمائش میں کامیاب ٹھہرے گا۔ یہی حقیقی روحانیت ہے اور یہی اس کا اصل مقصد ہے۔ جبکہ شیطان نے اپنے دجل سے جس چیز کو روحانیت مشہور کر دیا ہے اس کا واحد مقصد بندے اور اللہ کے درمیان اس عہد کو توڑنا ہے جس میں اس نے اللہ کو ہی ربّ مانا تھا۔

ذرا سوچیے! وہ روح جس نے اللہ کے روبرو اللہ کے رب ہونے کا نہ صرف اقرار کیا ہے بلکہ وہ انسان اور اللہ کے درمیان اس عہد کی گواہ بھی ہے تو کیا وہی روح انسانوں کو مجبور کر سکتی ہے کہ وہ رب کو چھوڑ کر دیوی دیوتاؤں، بتوں، انسانوں اور شیطانوں کی پوجا کریں؟ دوسرے الفاظ میں جس کو رب گواہ بنائے تو کیا وہ اس گواہی سے مکر سکتا ہے اور جس عہد پر گواہ بنایا گیا اسی عہد کو توڑنے کا کہہ سکتا ہے؟ اور پھر خود اللہ اور اس کے پیغمبر بتا رہے ہیں کہ انسان کے مرنے کے

بعد اس کی روح کا اس دنیا سے کوئی تعلق نہیں رہتا، وہ سیدھی عالم بالا پر اپنے رب کی مہمان بن جاتی ہے اور بالفرض اگر اس کا دنیا کے ساتھ کوئی تعلق ہو بھی تو کیا اس سے اس طرح کے ناپاک اور شیطانی اعمال وافعال کی توقع کی جاسکتی ہے جو اس نام نہاد روحانیت میں روحوں سے منسوب کیے جاتے ہیں؟ قرآن کہتا ہے روح اللہ کا امر ہے۔ کیا اللہ کے کسی امر سے برائی کی توقع کی جاسکتی ہے؟ آخر یہ کونسی روحانیت ہے؟ جو بت پرستی، کفر وشرک کی دعوت دیتی ہے، جو بتوں اور دیوی دیوتاؤں کے لیے انسانی خون کا نذرانہ مانگتی ہے، جس میں میّتوں کے سر کاٹنا، مُردوں کا گوشت کھانا، معصوم زندگیوں سے کھیلنا، ہنستے بستے گھروں کو اُجاڑنا سب جائز ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ ہر انسان کے ساتھ ابلیس نے اپنا ایک جن ساتھی مقرر کیا ہوا ہے، جو اسی انسان جیسی شکل وصورت اور نام اختیار کر لیتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا: یارسول اللہ! کیا آپؐ کے ساتھ بھی؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں میرے ساتھ بھی لیکن اللہ نے اسے میرا مطیع بنا دیا ہے، اب وہ مجھے سوائے نیکی کے کوئی اور حکم نہیں دے سکتا"۔ (مسلم)۔ اسی طرح کئی اور احادیث مبارکہ سے بھی انسان کے ساتھ اس کے ہم شکل ہمزاد جن کے ہونے کی تصدیق ہوتی ہے۔ عامل، پیر، پنڈت، پروہت، سادھو، جوگی اور اس قبیل کے سب لوگ اس سچائی سے واقف ہوتے ہیں لیکن وہ عوام کو سچ نہیں بتاتے کیونکہ اس طرح ان کی 'روحانیت' کا بھرم جاتے رہنے کا خدشہ ہوتا ہے۔ ہندو پنڈت اور پروہت ان کو روحانی شکتیاں باور کراتے ہیں اور عام ہندو دیوتا مان کر انہی کی پوجا کرتے ہیں۔ انہی 'شکتیوں' کو ہمارے عامل، پیر اور جادوگر مؤکلات یا روحانی قوتیں بتاتے ہیں اور سادہ لوح مسلمان اسے روحانیت مان کر بالواسطہ شیطان کے ہی جال میں پھنس رہے ہیں۔ CIA، را، موساد، MI5، MI6 سمیت دنیا بھر کی ایجنسیاں خفیہ معلومات کے حصول اور دیگر مقاصد کے لیے انہی شیطانی ذرائع کو استعمال کر رہی ہیں۔ illuminati اور فری میسن تنظیمیں براہِ راست انہی شیطانی قوتوں سے راہنمائی لیتی ہیں اور دنیا بھر سے لوگ محض دولت، شہرت اور اقتدار کے لیے ان کے چنگل میں پھنس کر دجال کا راستہ ہموار کرتے ہیں۔ IMF اور ورلڈ بینک سمیت تمام عالمی مالیاتی اداروں پر انہی کا قبضہ ہے۔ دنیا بھر کے حکمران انہی کی ڈکٹیشن پر پالیسیاں بنا کر دجال کے ایجنڈے کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ گویا اگر

یہودی مسیح الدجال (جو کہ شیطان ہے) کو ہی اپنا نجات دہندہ سمجھتے ہیں اور اسی کی عالمی حکومت کا راستہ ہموار کر رہے ہیں تو وہی کام ہم سب کسی نہ کسی صورت میں بالواسطہ یا بلا واسطہ کر رہے ہیں۔ گویا ہر طرف دجال کا غلبہ بڑھ رہا ہے۔ اگر کوئی کسر رہ گئی ہے تو وہ صرف دجال کے ظاہر ہونے کی ہے۔

ان حالات میں بحیثیت مسلمان ہمیں اپنا گہرا جائزہ لینے کی ضرورت ہے کہ اس وقت ہم کون سے کیمپ میں کھڑے ہیں؟ دجال کے کیمپ میں یا پھر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے کیمپ میں! اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس دجالی فتنہ کو سمجھنے اور اس سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

اسلام ایک زندۂ جاوید مکمل تہذیب

پروفیسر رشید احمد انگوی

لاہور

اوّلین انسانی جوڑا ربِّ کائنات کے حکم پر جنت سے رُوئے زمین پر روانہ کر دیا گیا۔ اسے خلافت ارضی کی خلعت پہنا دی گئی۔ زادِراہ کے طور پر ہدایاتِ ربانی سے نوازا گیا، خیر و شر سے آگاہ کرکے اس کی جسمانی و روحانی ضروریات کی تکمیل کے لیے کیے گئے انتظامات سے مطلع کر دیا گیا اور بطور خاص اس کے ایک حاسد اور ازلی و ابدی دشمن کی کارستانیوں سے آگاہی عطا کر دی گئی اور یوں نسل انسانی کا سفر وحی ربانی کی روشنیوں میں شروع ہوا اور زمین جو اب تک صرف حیوانات و نباتات اور متنوع جانداروں سے آباد تھی، اب وہ خلیفۃ اللہ فی الارض، اشرف المخلوقات حضرتِ انسان کا مسکن بن گئی اور خالق کائنات کے فرمان کے مطابق جب تک قائم رہنے کی اجازت ہے قائم رہے گی اور جب اسے بوریا بستر سمیٹنے کا حکم ہوگا تو یہ ایک عظیم الشان زلزلے سے تہہ و بالا ہو جائے گی، اس کے بھاری بھرکم پہاڑ اون کے باریک بے حیثیت ریشوں کی مانند اُڑے پھر رہے ہوں گے اور خود انسان بے چارا بے حیثیت پروانوں اور پتنگوں کی طرح بکھرا پھر رہا ہوگا اور جدھر حکم ہوگا بھاگا پھر رہا ہوگا۔ نہ ہم نے انسان کا آغاز دیکھا نہ انجام، مگر ہم ان حقائق سے اس طرح آگاہ و باخبر ہیں جیسے یہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکے ہوں کہ ربّ العالمین کی کتاب میں یہی کچھ درج ہے۔

آدم و حوا کو اللہ نے اولاد سے نوازا اور اولاد در اولاد کا نظام یوں جاری ہوا کہ

روئے زمین کے گوشے گوشے میں نسل آدم پہنچ گئی اور زمین کو آباد کرنے کے ساتھ زمینی حدود سے باہر نکلنے کے بھی عزائم اور منصوبے دورِ جدید کی تاریخ کا حصہ ہیں۔ رُوئے زمین کی آبادکاری کے اس سفر میں بے شمار آبادیاں، قومیں اور تہذیبیں وجود میں آئیں۔ تہذیب وتمدن کے بے مثل نظارے سامنے آتے گئے۔ تاریخ وتہذیب کے مضامین بھی وجود میں آئے اور نفسیاتِ انسانی نے کئی قسم کے گل کھلائے۔ امن وجنگ کے رُوپ سامنے آتے گئے۔ 'ضرورت ایجاد کی ماں ہے' کے مطابق ٹیکنالوجیز کی دنیائیں وجود میں آئیں۔ کبھی اللہ دین کا چراغ ایک خواب تھا، آج سمارٹ فونز اور کمپیوٹروں سمیت انفارمیشن کی دنیا کے مناظر تو دیکھئے۔ انسان کئی لحاظ سے وہی قدیم ترین جاندار مخلوق ہے جو خوراک اور سانس کی محتاج ہے تو دوسری جانب قسم کے لائف سٹائل وجود میں آ گئے ہیں۔ بایں ہمہ انسان تہذیب کے خول سے نکل نہیں سکا۔ ملکوں، براعظموں وغیرہ خطوں میں انسانی تہذیب کی تقسیم اپنی جگہ موجود ہے۔ مختلف تہذیبوں نے اپنے اوپر نظریات کے عنوان سجا رکھے تھے۔ جغرافیہ، تہذیب اور نظریات ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ رومی، چینی، امریکی جیسی تقسیمیں بھی اسی سلسلہ تاریخ کے حوالے ہیں۔ مغربی، مشرقی تقسیم بھی طرزِ حیات کا حوالہ ہے۔ اقبال کا یہ شعر اسی سلسلہ کی کڑی تو ہے:

ے　طہران ہو گر عالم مشرق کا جنیوا
شاید کرۂ ارض کی تقدیر بدل جائے

اور　ع　مشرق سے اُبھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ

یہ نسل انسانی کے زمینی پھیلاؤ کا اثر ہی تو ہے۔ رُوئے زمین تمام انسانی تہذیبوں کا گہوارہ بھی ہے اور کئی تہذیبوں کا قبرستان بھی۔ تہذیبوں سے بھری دنیا میں اسلامی تہذیب کا ہلکا سا تعارف ہو جائے۔

اسلامی تہذیب کو یہ شرف واعزاز حاصل ہے کہ اس کی اصل خود ربّ کائنات کے ارشادات پر رکھی ہوئی ہے۔ آدم وحوا کو جنت میں ٹھہرا کر دنیا میں امتحان کی غرض سے بھیج دیا گیا کہ اس مادّی دنیا میں رہتے ہوئے زندگیاں یوں بسر کرو کہ واپس جنت میں آنے کے قابل بنو۔ بصورت دیگر عذابوں اور تکلیفوں سے بھرا ٹھکانا جہنم ہے۔ یوں اسلامی تہذیب کی تو بنیاد ہی

''لا اِلٰہ اِلا اللہ'' پر رکھی گئی ہے اور اسلامیانِ عالم کی مسلسل راہ نمائی اللہ کے بھیجے ہوئے نبیوں و رسولوں اور آسمانی کتابوں پر مبنی تعلیمات کی صورت میں کی جاتی رہی ہے۔ یہاں تک کہ حضور خاتم النّبیین حضرت محمد ﷺ کی آمد کے ساتھ نبوت کا سلسلہ مکمل فرما دیا گیا اور آخری آسمانی کتاب قرآن مجید کو انسانیت کی ہدایت کے لیے نصابی کتاب کا درجہ عطا ہو گیا۔ یوں نصاب بھی اُتار دیا گیا اور معلم نصاب بھی تشریف لے آئے۔ یہی انسانی تاریخ کا اہم ترین واقعہ ہے۔ اسلامی تہذیب وتمدن کی فکری و عملی بنیادیں کتاب وسنت کی صورت میں رکھ دی گئیں۔ اُمت مسلمہ اصل میں کتاب وسنت کی تعلیمات حاصل کر کے ان پر عمل کرنے والے انسانوں کا نام ہے۔ یہ اُمت پوری انسانیت کی لیڈر بنا کر اٹھائی گئی ہے۔ مسلمان پوری دنیا کے قائد و رہبر ہیں نہ کہ غیر مسلموں کے علمی و فکری پیروکار۔ کیا اہل تثلیث عظیم الشان علمبردارِ توحید اُمت کی راہ نمائی کی اہلیت رکھتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ علامہ اقبال نے مغرب کے علوم وتحقیقات سے دامن بھرنے کے باوجود سرِفخر سے اُٹھا کر اعلان کیا کہ:

خیرہ نہ کر سکا مجھے جلوۂ دانشِ فرنگ
سرمہ ہے میری آنکھ کا خاکِ مدینہ و نجف

یہ اعلان ہے کہ محمد عربی ﷺ کے تیار کردہ شاگردانِ عظیم ہی تو میری آنکھ کا نور اور دل کا سرور ہیں۔ یہ تو ایک شعر اقبال ہے ورنہ علامہ اقبال اُمت مسلمہ کو دنیا کے تہذیبی معرکے میں اپنے آپ کو پہچان کر عالمی قیادت کے مقام پر دیکھنا چاہتے تھے

سبق پھر پڑھ صداقت کا، عدالت کا، شجاعت کا
لیا جائے گا تجھ سے کام دنیا کی امامت کا

اُمت مسلمہ تو اصل میں ''عقیدۂ توحید، اِتباعِ سنت اور مقامِ خیرِ اُمت'' کے عقائد و تصورات پر کردار ادا کرنے کی پابند ہے۔ اس کے پاس کتاب اللہ کی صورت میں جامع ترین نورانی ہدایت موجود ہے جو فرد سے لے کر ریاست تک اور ریاست سے لے کر بین الاقوامی مقامات تک کی مکمل ترین راہ نمائی مہیا کرتی ہے۔ پاکستان کی پارلیمنٹ جاہل اور مجرم قماش کے لوگوں کا مقام نہیں، تمام قانون ساز مقامات کی ممبری کے لیے تمام قوانین کے حقیقی ماخذ کتاب اللہ

کی مہارت بنیادی شرط ہو تو ایسی مبارک پارلیمنٹ پر زمین و آسمان سے اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں۔ ہمارے حکمران اعلیٰ ترین سطح کے مثالی اور پاکیزہ ترین افراد ہونے چاہئیں۔ پاکستان کا نظامِ سیاست و معاشرت، قانون وانصاف، تجارت، تعلیم، میڈیا، دفاع، معیشت سو فیصد اصلاح طلب ہے۔ مسلمان بچے کو پیدا ہوتے ہی 'اللہ اکبر' کے کلمہ سے آگاہ کیا جاتا ہے مگر پھر پوری زندگی اس کلمہ سے لاتعلقی کی راہ دکھائی جاتی ہے۔ آئیں ہم سب ہوش کے ناخن لیں اور تہذیبوں کے عالمی معرکے میں اسلامی تہذیب وتمدن کا عملی نمونہ پیش کر کے ''خیرِ اُمت'' ہونے کا ثبوت دیں۔

مسائلِ میراث اور
ہمارے اُجڑتے خاندان
(حصہ ہشتم)

حافظ مختار احمد گوندل

زندگی میں اثاثوں کی تقسیم، معاشی انصاف اور سیرتِ نبوی ﷺ

تشکیل انسانیت کے بتدریج ارتقائی عمل کے ساتھ ہی معاشرتی اکائی یعنی خاندان وجود میں آیا۔ پھر تمام خاندان بشمول گروہِ انبیاء علیہم السلام نے وسائل واسباب اختیار کر کے ہی اپنی زندگیاں بسر کیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بکریاں چَرانے کا ذکر تو قرآن کریم میں ہے کہ انہوں نے آٹھ یا دس سال حضرت شعیبؑ کی بکریاں چرائیں۔ چنانچہ اسباب و وسائل کا اختیار کرنا سنت انبیاء ہے اور وسائل واسباب کو اللہ تعالیٰ نے محنت سے وابستہ کیا ہے، جس کے بغیر زندگی بسر کرنا ممکن نہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے اعلانِ نبوت سے قبل حسب ضرورت محنت کی، بکریاں چَرائیں اور تجارت کی، گو بنیادی ضروریات تو تمام خاندانوں کی ایک جیسی ہیں تاہم انفرادی ضروریات اور ترجیحات مختلف ہوتی ہیں۔

وسائل واسباب میں توازن

وسائل واسباب اختیار کرنے میں توازن بھی سنت انبیاء و مصطفیٰ ﷺ ہے۔ آپ ﷺ نے انہیں ترک کرنے اور ان پر مکمل طور پر بھروسہ کرنے دونوں طرف کے انتہائی طرزِ عمل سے منع فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ کے پاس کوئی شخص سوالی بن کر آتا تو آپ اسے دیکھتے، اگر وہ معذور یا مستحق

ہوتا تو اس کی مدد فرماتے لیکن اگر صحت منداور کمانے کے قابل ہوتا تو اسے محنت ومزدوری کی تلقین فرماتے اور کمانے کی ترغیب دیتے۔ ایک مرتبہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میں ضرورت مند ہوں میری مدد کیجیے۔ آپ نے فرمایا: تم تندرست آدمی ہو، محنت کر کے کما سکتے ہو۔ اس نے کہا کہ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے گھر میں جو کچھ ہے وہ لے آؤ۔ وہ گھر گیا اور جا کر ایک دری (ٹاٹ) اور ایک پیالہ لے آیا۔ آپ ﷺ نے ان کو دو درہم میں فروخت کر دیا اور اس سے فرمایا کہ ایک درہم سے اپنے گھر والوں کے لیے کھانے کا سامان خرید لو اور ایک درہم سے کلہاڑی خرید کر لاؤ۔ وہ کلہاڑی خرید کر آپ ﷺ کے پاس آیا۔ آپ نے اس کو حکم دیا کہ جنگل میں جاؤ اور لکڑیاں کاٹ کر بازار میں بیچو، چند دن بعد آ کر مجھے بتانا۔ اس نے حکم پر عمل کیا۔ چند دن گزرنے بعد دوبارہ آیا اور عرض کیا کہ یا رسول اللہ، میں حسب حکم حاضر ہوں۔ آپ ﷺ نے پوچھا اب کیا صورتحال ہے؟ اس نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ، میں نے دس درہم کما لیے ہیں۔ آپ نے فرمایا: تمہاری یہ حالت (یعنی محنت کر کے کمانا) پہلے والی حالت (یعنی سوال کرنے) سے بہتر ہے۔ (بیہقی، عن انس بن مالک رضی اللہ عنہ)

جناب نبی کریم ﷺ نے وسائل واسباب ترک کرنے سے منع فرمایا۔ یہی سیرتِ طیبہ کی روشنی میں معاشی عدل ہے یعنی ایسی فلاحی ریاست جس میں ہر فرد حلال محنت کرے اور ہر فرد کو اس کا حق ملے اور تمام شہری سکون سے رہیں۔ آپ ﷺ نے معاشی عدل یعنی خودکار طریقے سے معاشرے کے تمام طبقات میں تقسیم دولت کا ایک عظیم الشان نظام دیا اور پھر اپنی زندگی میں اس کے عملی نمونے بھی پیش فرمائے۔ کسی معاشرہ میں دولت کی مثال جسم انسانی میں خون کی ہے جیسے جسم کے ہر حصے کو اپنی ضرورت کے مطابق خون ملتا رہے تو نظام جسمانی ٹھیک رہتا ہے، ضرورت سے زیادہ خون جسم کو اور ضرورت سے زیادہ دولت معاشرہ کو ابتری کا شکار کر دیتی ہے۔ ایک توازن کے ساتھ خون کی گردش اچھی صحت اور دولت کی گردش فلاحی معاشرہ کو تشکیل دیتی ہے۔ دولت کی خودکار گردش کے اہم آلہ کار (1) وراثت (2) صدقات (زکوٰۃ وعشر وغیرہ) (3) حلال ذرائع سے کمانا (4) حرام ذرائع سے اجتناب وغیرہ ہیں۔ ساری زندگی میں محنت سے جمع کردہ اثاثہ مرنے کے بعد ورثاء میں اور زکوٰۃ وعشر کی بھی یہی صورت حال ہے کہ ہر سال صاحب نصاب

افراد کی دولت کا چالیسواں حصہ غرباء وفقراء میں تقسیم ہو جاتا ہے۔ یوں اصل ہدف — عدل و انصاف پر مبنی گردشِ دولت کا سلسلہ جاری و ساری رہتا ہے۔ اکثر خاندانی نزاعات کی بنیاد انہی معاشی معاملات میں عدل وانصاف کا فقدان ہوا کرتا ہے۔ جبکہ ان معاشی معاملات کا منصفانہ حل ہی تو ہر فرد کی بھلائی اور خاندان کی بقا ہے، جس خاندان میں افلاس، بغض، حسد، کینہ اور نا اتفاقی کی چنگاری ایک دفعہ لگ جائے تو پھر وہ اس خاندان میں سلگتی رہتی ہے۔ پھر خاندان بالآخر اسی میں جل کر خاکستر ہو جاتے ہیں۔ خوش قسمتی سے مشرقی روایات برقرار رکھتے ہوئے ہمارے ہاں اب بھی بعض جگہ مشترکہ خاندانی نظام رائج ہے۔ جس کی افادیت کو کسی صورت بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ خاندانی روایات، اقدار اور اپنی ثقافت سے روشناس خاندان کے افراد کا آپس میں تعلق اور محبت کا رشتہ استوار ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہوتے ہیں اس کے علاوہ بھرپور طریقے سے خوشیوں کے لمحات سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ خوشی اور غم کے لمحات میں ایک دوسرے کا سہارا بنتے ہیں۔ کچہریوں، بیماریوں، پریشانیوں اور ارضی وسماوی آفات کا مل جل کر مقابلہ کرتے ہیں۔ القصہ اس نظام میں خاندان کے تمام افراد کو مکمل تحفظ ملتا ہے۔ بزرگوں کے تجربات سے فائدہ اٹھانے کا موقع ملتا ہے۔ خاص طور پر بچوں کی اخلاقی تعلیم وتربیت کی صورت میں بزرگوں کو ایک اہم مصروفیت مل جاتی ہے۔ تنہا فرد اپنے خاندان کی کفالت احسن انداز سے نہیں کر سکتا۔ ایک دسترخوان مہنگائی کے اس دور میں بہت بڑی کفایت کا باعث بنتا ہے۔ مشترکہ خاندانی نظام میں Division of labour کا اصول کارفرما رہتا ہے۔ گھر کے تمام کام کاج خود بخود خاندان کے افراد آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں۔ مثلاً کچن روایتی طور پر خواتین سنبھال لیتی ہیں۔ کسی کو بھی پورے خاندان کی معاشی ذمے داری کا بوجھ اکیلے نہیں اٹھانا پڑتا بلکہ ہر فرد اپنے حصے کی ذمہ داری پوری کرتا ہے۔ اگرچہ اس کی برکات سے کسی بھی فرد بشر کو انکار نہیں۔ ہمارے معاشرے میں رائج ان رسم ورواج میں جب تک باہمی الفت، ادب واحترام، ہمدردی وایثار جیسے اوصاف رہے، خاندانوں میں سکون، فلاح وخوشحالی اور معاشرتی عزت ووقار رہا۔ لیکن اب مشترکہ خاندانی نظام میں فوائد کی نسبت مسائل زیادہ ہیں۔ پریشان حالی، شادیوں میں تاخیر، غرضیکہ خاندانوں میں مسلسل جھگڑوں کے علاوہ کچھ نہیں۔ جب باہم ذہنی ہم آہنگی کا فقدان ہو یا دوسرے الفاظ میں

آپس میں اختلاف رائے ہوتو ایک مچھلی سارے جل کو گندہ کر دیتی ہے، کے مصداق خاندان میں کم عقل، کم فہم، کم ظرف اور خود غرض بصورت بیوی، بہو، داماد وغیرہ کوئی ایک فرد بھی دخیل ہو جائے تو پورا خاندان اس کی شرانگیزیوں سے محفوظ نہیں رہتا۔ بلکہ بربادی اس خاندان کا مقدر بن جاتی ہے۔اپنے مفادات کیلئے وہ پورے خاندانی وقار کو داؤ پر لگا دیا کرتا ہے۔مثلاً ایک فرد چور، جواری یا نشہ باز بن جائے، یا کسی بھی علّت کا شکار ہو جائے تو اس کے نتائج تمام خاندان کو بھگتنا پڑتے ہیں۔ گو اس کے مداوا کے لیے خاندان کا ہر فرد اپنی استطاعت کے مطابق اپنا کردار ضرور ادا کرتا ہے لیکن مربوط خاندانی نظام کی روایت دم توڑنے لگتی ہے۔یہی وہ بنیادی اسباب ہیں کہ لوگ یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ اپنے مال و جائیداد کیلئے کوئی معقول بندوبست کر جائیں تا کہ ان کی رحلت کے بعد خاندان کے افراد مزید بربادیوں سے محفوظ رہیں۔ پٹواریوں اور وکلاء کے ذرائع آمدنی نہ بنیں۔حالات اگر سدھر نہ سکیں تو ان میں کم از کم مزید بگاڑ پیدا نہ ہو۔عدالتوں کے چکروں سے محفوظ رہیں۔زندگیاں برباد نہ ہوں۔مال وجائیداد جو بناتا ہے وہی بہتر سمجھتا ہے کہ اس کے مرنے کے بعد اس کا ترکہ کیسے تقسیم ہونا چاہیے۔لیکن وراثت کے اعتبار سے شریعت اسلامیہ نے عائلی اور خاندانی نظام کی نشو ونما کے لیے ایسے ابدی اور فطری احکام میراث کا ایک ہمہ گیر اور آفاقی ضابطہ وراثت عطا کیا۔اس نے تمدنی استحکام کے ساتھ ساتھ ان تمام ناانصافیوں کا بھی ازالہ کر دیا ہے۔وراثت کا یہ ضابطہ وہ علم الفرائض ہے جسے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیکھنے اور سکھانے کی تلقین فرمائی اور اسے نصف علم کے برابر قرار دیا۔سنن ابی داؤد کی ایک روایت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے: ''علم تین ہیں اور اس کے علاوہ جو کچھ ہے وہ زائد ہے: ان میں پہلا آیات محکمات کا علم ہے، دوسرا سنت قائمہ کا اور تیسرا انصاف کے ساتھ میراث کی تقسیم کا ہے''۔ احکام میراث پر عملدرآمد سے اسلامی معاشرہ مستحکم خاندانی نظام کا حامل ہے کیونکہ احکام میراث سے جاگیرداری نظام کا خاتمہ ممکن ہے۔وراثت اور ترکے کی تقسیم سے دولت کی گردش وجود میں آتی ہے،جس سے معاشی عمل میں قوت واستحکام پیدا ہوتا ہے۔

ان احکام شریعت کے باوجود معاشرہ میں یہ رواج تو اب عام ہوتا جا رہا ہے کہ زندگی میں ہی اپنا مال وجائیداد تقسیم کر دیا جائے۔نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسریا۔لیکن یہ بھی حقیقت

ہے کہ زندگی میں اپنے اثاثوں کی وارثتی ترکہ تقسیم دراصل اللہ اوراس کے رسول ﷺ کے حکم قانونِ وراثت کی مخالفت ہے۔ ظاہر ہے اس میں کسی کو بھی اختلاف نہیں۔ کیونکہ تقسیمِ وراثت کی شرائط میں ہے کہ مورث (یعنی صاحبِ ترکہ) فوت ہوجائے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تبع تابعین اور ائمہ و مجتہدین کے ہاں اس کے شواہد شاذ ہیں کہ کسی نے اپنی زندگی میں ہی اپنے اثاثے اس طرح پورے کی پورے تقسیم کردیے ہوں۔ یہ اس بات کا بین ثبوت ہے کہ وہ راضی برضا تھے اللہ کے انعام قانون وراثت پر، اپنے ورثاء کی دیانتوں پر اور اپنے زرّین دور کے نظام عدل کی شفافیت پر، فوت ہونے کے بعد شرعی طریقہ پر اپنے اثاثوں کی تقسیم پر۔ اب اگر کوئی شخص اپنی زندگی میں اپنی پوری جائداد تقسیم یعنی ہبہ کرکے کسی کو مالک وقابض بنادیتا ہے، تو اگرچہ فقہائے احناف کے ہاں مباح ہے اور پاکستان کے قانون کے مطابق بھی ایک فرد کے نام تمام جائیداد ہبہ کی جاسکتی ہے خواہ وہ وارث ہو یا غیر وارث۔ ہبہ کرنے والا جب چاہے قبضہ دینے سے پہلے ہبہ منسوخ کرسکتا ہے۔ قبضہ دے دینے کے بعد منسوخ نہیں کیا جاسکتا۔ اس کی دوصورتیں ہیں:

1۔ ہبہ بالعوض: یہ دراصل ایک فروخت ہے اوراس میں فروخت کی تمام خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ اس میں ملکیت کے انتقال کی تکمیل کے لی قبضہ دینا ضروری نہیں۔ اس کے ذریعے قابل تقسیم جائیداد کا غیر تقسیم شدہ حصہ بھی منتقل ہوسکتا ہے۔ تاہم غیر تقسیم شدہ جائیداد جو نا قابل تقسیم بھی ہو، کا ہبہ جائز نہیں۔ کیونکہ جائیداد ہبہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ جس کے حق میں ہبہ کیا گیا ہو اس کو اس کا حصہ علیحدہ کرکے دیا جائے۔ ایسی غیر تقسیم شدہ جائیداد جو قابل تقسیم تو ہو لیکن تقسیم نہ کی گئی ہو، کا ہبہ فاسد ہے۔ البتہ جائیداد کو تقسیم کردینے سے ہبہ جائز قرار پائے گا۔

2۔ ہبہ بشرط العوض: ہبہ جو معاوضے کی شرط کے ساتھ کیا جائے۔ اس ہبہ میں قبضہ کی سپردگی لازمی ہے۔ یہ ہبہ قابل منسوخی بھی ہے۔ البتہ جب ہبہ قبول کرنے والا عوض ادا کردے تو وہ ناقابل تنسیخ ہوجاتا ہے۔ البتہ احادیث کی روشنی میں تو ایک تہائی مال (یا اپنی جائیداد کا کچھ حصہ، پورا نہیں) اپنی زندگی میں اپنے ورثاء میں برابری کی بنیاد پر بطور عطیہ یا ہبہ دیا سکتا ہے اور تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ (بخاری، کتاب الھبة وفضلھا والتحریض علیھا، باب الھبة للولد) ایک تہائی سے زائد کی تو وصیت بھی نہیں کی جاسکتی۔ ہاں ایک شخص پر قرضہ یا ایسے واجبات ہوں جن کا

کوئی دستاویزی ثبوت نہ ہو، تو ایسے شخص پر وصیت کرنا واجب ہے۔ جس پر دو عادل گواہ بھی ہوں۔

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لیے تشریف لائے، میں اس وقت مکہ مکرمہ میں تھا (حجۃ الوداع یا فتح مکہ کے موقع پر)۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُس سرزمین پر موت کو پسند نہیں فرماتے تھے جہاں سے کوئی ہجرت کر چکا ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ابن عفراء (سعد) پر رحم فرمائے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا میں اپنے سارے مال کی وصیت کر دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں۔ میں نے پوچھا پھر آدھے کی کر دوں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر بھی فرمایا: نہیں۔ میں نے پوچھا کہ پھر تہائی مال کی کر دوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تہائی مال کی کر سکتے ہو اور یہ بھی بہت ہے۔ اگر تم اپنے پس ماندگان کو مالدار چھوڑو تو یہ اس سے بہتر ہے کہ انہیں محتاج چھوڑ جاؤ کہ وہ لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں۔ اور جب بھی تم کوئی چیز جائز طریقہ پر خرچ کرو گے تو وہ صدقہ ہوگا۔ یہاں تک کہ وہ لقمہ بھی جو تم اٹھا کر اپنی بیوی کے منہ میں دو گے (وہ بھی صدقہ ہے) اور (ابھی وصیت کرنے کی کوئی ضرورت بھی تو نہیں) ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں شفا دے اور اس کے بعد تم سے بہت سے لوگوں کو فائدہ ہو اور بہت سے دوسرے لوگ (اسلام کے مخالف) نقصان اٹھائیں۔ (بخاری، کتاب الوصایا)

''لوگوں نے ایک تہائی کی وصیت کی اور نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جائز قرار دیا۔'' (بخاری)

اگر ورثاء مال و جائداد کے زیادہ مستحق ہیں تو پھر دوسرے حضرات اور اداروں کے لیے وصیت کرنا مکروہ ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شفا کی دعا کے بعد حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تقریباً پچاس سال تک حیات رہے اور انہوں نے عظیم الشان کارنامے انجام دیے۔ حضرت سعد رضی اللہ عنہ بن ابی وقاص نے ہی 17 ہجری میں کوفہ شہر بسایا جو بعد میں علم و عمل کا گہوارہ بنا۔ آپ رضی اللہ عنہ ہی کی قیادت میں ایران جیسی عالمی طاقت فتح ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے ہی دریائے دجلہ میں اپنے گھوڑے ڈال دیے تھے، (سیر الصحابہ ج2، ص152) جنہیں علامہ اقبال نے خراج تحسین پیش کیا:

محفلِ کون و مکاں میں سحر و شام پھرے — مئے توحید کو لے کر صفتِ جام پھرے
کوہ میں، دشت میں لے کر ترا پیغام پھرے — اور معلوم ہے تجھ کو، کبھی ناکام پھرے!
دشت تو دشت ہیں، دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے — بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے

سیّدنا عمران بن حصینؓ سے مروی اس حدیث میں ہے کہ حضورﷺ نے کامل تقسیم کو عملی طور ردّ کر دیا:

أَنَّ رَجُلًا أَعْتَقَ سِتَّةَ مَمْلُوكِينَ لَهُ عِنْدَ مَوْتِهِ لَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرَهُمْ، فَدَعَا بِهِمْ رَسُولُ اللهِ ﷺ، فَجَزَّأَهُمْ أَثْلَاثًا، ثُمَّ أَقْرَعَ بَيْنَهُمْ، فَأَعْتَقَ اثْنَيْنِ، وَأَرَقَّ أَرْبَعَةً، وَقَالَ لَهُ قَوْلًا شَدِيدًا (مسلم:1668)

''ایک آدمی نے اپنی موت سے کے وقت چھ غلام آزاد کر دیے، جبکہ اس کے پاس ان کے سوا اور کوئی مال نہیں تھا۔ تو نبی ﷺ نے انہیں بلایا اور انہیں تین حصوں (دو دو کے گروہ) میں تقسیم کیا۔ پھر ان کے درمیان قرعہ اندازی کی اور پس ان میں سے دو کو آزاد کر دیا اور باقی چار کو غلام ہی رکھا۔ اور اس (آزاد کرنے والے) کے بارہ میں بہت سخت بات کہی۔''

ہیکل اپنی تصنیف حضرت ابوبکر صدیقؓ میں تحریر کرتے ہیں:

''رسول اللہ ﷺ نے وفات سے قبل ابوبکرؓ کو ایک قطعہ زمین مرحمت فرمایا تھا جسے انہوں نے درست کر کے اس میں درخت لگوائے تھے۔ بعد میں انہوں نے یہ قطعہ اپنی بیٹی عائشہ کو دے دیا۔ جب وفات کا وقت قریب آیا تو آپؓ نے عائشہؓ سے کہا: اے میری بیٹی! میں یہ بالکل نہیں چاہتا کہ میرے بعد تمہیں کسی اعتبار سے کوئی تنگی برداشت کرنی پڑے۔ میری دلی خواہش ہے کہ تم بافراغت زندگی بسر کرو پھر بھی میں چاہتا ہوں کہ جو قطعہ زمین میں نے تمہیں دیا تھا وہ تم مجھے واپس کر دو تاکہ میں احکام وراثت کے مطابق اسے تمہارے بھائیوں اور بہنوں میں تقسیم کر دوں۔ حضرت عائشہ کی صرف ایک بہن تھی وہ بہت حیران ہوئی کہ بہنوں کا کیا مطلب۔ انہوں نے والد سے اس کی وضاحت چاہی۔ ابوبکرؓ نے جواب دیا کہ تمہاری سوتیلی والدہ حبیبہ بنت خارجہ کو حمل ہے اور میرا خیال ہے کہ ان کے ہاں لڑکی پیدا ہوگی۔'' (حضرت ابوبکر صدیقؓ / محمد حسین ہیکل)

درج بالا واقعہ میں سیدنا ابوبکرؓ کا اپنی بیٹی حضرت عائشہؓ سے کھجوروں کا باغ ہبہ کے بعد، وفات سے پہلے اسے واپس لے لینا تاکہ وہ الٰہی تقسیم کے مطابق تمام ورثاء میں تقسیم ہو ایک سنہری مثال ہے۔

اجتہاد کے دروازے تو کبھی بند نہیں ہوئے لہٰذا اگر ہبہ کی صورت میں خاندانی نظام میں دراڑوں کو بند کرنا ممکن ہو تو اس کا جواز بھی شریعت میں موجود ہے۔ بشرطیکہ شرائط ہبہ کو ملحوظ رکھا

جائے یعنی تسویہ ہو، کسی پر جور و ستم نہ ہو لیکن یہ بھی پیش نظر رہے کہ جو شخص اللہ کی تقسیم یعنی وراثت پر راضی نہ ہو پایا انسانی کاوشیں کس حد کارگر ہو سکتی ہیں اور جہاں تک تسویہ کا معاملہ ہے راقم الحروف کا تو مشاہدہ ہے کہ والدین تسویہ کرتے کرتے اللہ کے حضور چلے جاتے ہیں، بھائی بہن ایسے افراد کی معاشی کفالت کرتے کرتے تھک جاتے ہیں، عزیز و اقارب اپنے وراثتی حصے بھی انہیں معاف کرتے کرتے دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں اور معاملہ وہی ڈھاک کے تین پات والا رہتا ہے۔ اللہ کے حضور ان کا معاملہ تو وہی بہتر جانتا ہے۔ لیکن حرماں نصیب مورث حضرات تو اپنے ان بدبخت ورثاء کے ایصال ثواب سے بھی محروم رہتے ہیں کیونکہ جن کو ملتا ہے وہ بھی شکوہ کناں اور جن کو نہیں ملتا وہ بھی شکوہ سنج۔ نعرہ زن ہر شخص ہے هَلْ مِنْ مَّزِيْد؟ یعنی نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم

زندگی میں اپنی جائیداد کو ورثاء کے مابین تقسیم کر کے سپرداری دے دینا

اپنی زندگی میں اپنی جائیداد ورثاء میں تقسیم کرنا بھی ہبہ کہلاتا ہے۔ کوئی بھی شخص اپنی زندگی میں اپنی جائیداد اپنے ورثاء میں تقسیم کرنے کا مجاز ہے۔ زندگی میں مال تقسیم کرتے ہوئے رسول اکرم ﷺ نے ورثاء کے درمیان انصاف کا حکم دیا ہے۔ لہٰذا جب کوئی شخص اپنی زندگی میں کچھ ہبہ کرے تو عدل سے کام لے۔ شرعاً جائز نہیں کہ کوئی اپنے ورثاء میں سے ایک کو عطا کرے اور دوسروں کو محروم کرے۔ قیامت کے دن وہ خدا کے حضور جواب دہ ہوگا بلکہ ایسا فعل قانوناً بھی قابل تعزیر ہے۔ ہماری عدالتیں بھی ایسے کیسوں سے بھری پڑی ہیں۔ بہتر یہی ہے کہ ایسے جور و ستم سے ہر مسلمان کو بچایا جائے۔ ہبہ میں عدل و انصاف اور مساوات پر تو تمام فقہاء کا اتفاق ہے۔ تاہم دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا یہ امر مستحب ہے یا واجب؟ ایک گروہ کے نزدیک یہ امر مستحب جبکہ دوسرے کے نزدیک واجب ہے اور دونوں کا منبع درج ذیل متفقہ حدیث ہے۔

سیدنا نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ان کے والد ماجد انہیں لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا:

اِنِّی نَحَلْتُ ابْنِی هٰذَا غُلَامًا، فَقَالَ: أَكُلَّ وَلَدِكَ نَحَلْتَ مِثْلَهٗ، قَالَ: لَا، قَالَ فَارْجِعْهُ (بخاری:2586)

''میں نے اپنے اس بیٹے کو ایک غلام ہبہ کیا ہے۔ تو آپ ﷺ نے پوچھا'' کیا تو

نے اپنی ساری اولاد کو ایسا دیا ہے؟'' عرض کیا: نہیں! تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''پھر اس سے واپس لے لے''۔

ایک دوسری روایت میں ہے کہ انہیں نبی مکرم ﷺ نے فرمایا: فَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ (بخاری: 2587) ''اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد میں انصاف کرو۔''

آپ ﷺ نے فرمایا: لَا تُشْهِدْنِي عَلَى جَوْرٍ، لَا أَشْهَدُ عَلَى جَوْرٍ (بخاری: 2650) ''مجھے ظلم پر گواہ مت بنا، میں ظلم پر گواہ نہیں بنتا''۔

دوسری روایت میں ہے:

عَنْ عَامِرٍ، قَالَ: سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمَا، وَهُوَ عَلَى الْمِنْبَرِ يَقُولُ: أَعْطَانِي أَبِي عَطِيَّةً، فَقَالَتْ عَمْرَةُ بِنْتُ رَوَاحَةَ: لَا أَرْضَى حَتَّى تُشْهِدَ رَسُولَ اللَّهِ ﷺ، فَأَتَى رَسُولَ اللَّهِ ﷺ، فَقَالَ: إِنِّي أَعْطَيْتُ ابْنِي مِنْ عَمْرَةَ بِنْتِ رَوَاحَةَ عَطِيَّةً، فَأَمَرَتْنِي أَنْ أُشْهِدَكَ يَا رَسُولَ اللَّهِ، قَالَ: أَعْطَيْتَ سَائِرَ وَلَدِكَ مِثْلَ هَذَا؟ قَالَ: لَا، قَالَ: فَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ، قَالَ: فَرَجَعَ فَرَدَّ عَطِيَّتَهُ (بخاری)

''حضرت امام شعبی روایت کرتے ہیں کہ میں نے نعمان بن بشیرؓ کو منبر پر یہ کہتے ہوئے سنا کہ مجھے میرے باپ نے ایک عطیہ دیا۔ (میری والدہ) عمرہ بنت رواحہؓ نے کہا کہ میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں جب تک تم اس پر حضور ﷺ کو گواہ نہ بنالو، تو انہوں نے حضور ﷺ کے پاس حاضر ہو کر کہا کہ میں نے اپنے اس بیٹے کو ایک عطیہ کیا ہے۔ اس پر عمرہ بنت رواحہ نے مجھے کہا ہے کہ اس پر آپ کو گواہ بنالوں۔ آپ ﷺ نے پوچھا: ''کیا تو نے اپنی ساری اولاد کو ایسا دیا ہے؟'' عرض کیا: نہیں! ''تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد میں انصاف کرو'' فرمایا کہ انہوں نے لوٹ کر اپنا عطیہ واپس لے لیا۔''

ایک روایت میں ہے: أَيَسُرُّكَ أَنْ يَكُونُوا إِلَيْكَ فِي الْبِرِّ سَوَاءً؟ قَالَ: بَلَى، قَالَ: فَلَا إِذًا (مسلم) ''تم کو یہ بات خوش کرے گی کہ وہ سب تمہارے ساتھ بھلائی کرنے میں برابر ہوں؟ عرض کیا: جی ہاں، تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ بھی ایسا ہی ہے''۔

سنن ابوداود میں الفاظ یہ ہیں: اعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ اعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ

''اپنی اولاد میں انصاف کرو، اپنی اولاد میں انصاف کرو۔''

مذکورہ بالا احادیثِ نبوی ﷺ کی روشنی میں اب اجتہادی فعل کیا ہونا چاہیے؟ قانونِ وراثت کے مطابق تقسیم، تمام ورثاء میں برابر کی تقسیم یا پھر اپنی صوابدیدی تقسیم؟

زندگی میں اپنی جائیداد ورثا کو دے دینا تقسیمِ وراثت نہیں بلکہ ہبہ ہے، اگر اس میں شرعی ہبہ کے منافی کوئی کام نہ ہو۔ ایک بات واضح ہے کہ زائد دینا ہو تو باقی ورثاء سے مشورہ کریں یا انہیں اعتماد میں لیں۔ کیونکہ اپنی زندگی میں جس کو جو دے دیں گے وہی اس کا مالک ہوتا ہے، اسے ترکہ میں شامل نہیں کیا جاتا۔ اگر کسی کے ساتھ ظلم ہو تو ہبہ کرنے والا اللہ کے حضور جوابدہ ہوگا۔ اگر کوئی شخص غلطی کا مرتکب ہوا یا اس کی لاچارگی سے فائدہ اٹھایا گیا تو اسے عذاب الٰہی سے بچانے کے لئے ترکہ قانونِ وراثت کے مطابق دوبارہ تقسیم کیا جائے۔ ہوسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مورث کو معاف کردے۔ کیونکہ نعمانؓ کے والد بشیرؓ نے جب اپنے ایک لڑکے کو غلام دے کر رسولِ خدا ﷺ کو گواہ بنانا چاہا تو آپ ﷺ نے دریافت پوچھا: ''اس طرح باقی اولاد کو بھی عطیہ دیا ہے؟'' جواب ملا کہ 'نہیں' تو آپ ﷺ نے ظلم پر گواہ بننے سے انکار فرمادیا اور فرمایا: اعْدِلُوا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ اور ایک روایت میں ''سووا بین اولادکم'' ہے یعنی ''عطیہ کے وقت اولاد میں عدل اور برابری کرو۔''

اس تحقیق کا ماحصل یہ ہے کہ

1۔ انسان اپنی زندگی میں ورثاء میں بصورتِ ہبہ جائیداد وغیرہ تقسیم کرنے کا مجاز ہے۔ لیکن جیسا کہ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ اسے نیک نام سے یاد کیا جائے۔ اسے ایصال ثواب کیا جائے۔ تو اس کا حل سوائے اس کے اور کیا ہوسکتا ہے کہ وہ سب کے ساتھ انصاف کرے۔ محرومین کیسے انہیں مرحومین کہیں جن کے دل کے پھپھولے جل اٹھیں اس ناانصافی پر جو ان سے روا رکھی گئی ہو۔ ہبہ تام اسی وقت ہوگا جب باقبضہ ہو تو پھر باقی وارثوں کا اس جائیداد وغیرہ میں کوئی حق نہیں ہوگا۔ تاہم وارثوں کی محرومی کا ارتکاب کرنے والا اپنے کیے کی سزا بھگتے گا۔ البتہ شرعی وارثوں کو ان کے حصے مل جائیں تو اللہ تعالیٰ کے ہاں اس کی سزا معاف ہوجائے۔ اگر باقبضہ نہ ہو یعنی قبضہ وتصرف مرتے دم تک صاحب جائیداد کا ہی رہے، یا مرض الوفات میں ہبہ رجسٹری ہوا ہو تو اس کی حیثیت وصیت کی ہوگی، جو وارثوں کی رضامندی کے بغیر باطل ہے۔ اب وہ ترکہ شمار ہوگا جو سب وارثوں

پر شرعی حصوں کے مطابق تقسیم ہوگا۔

2۔ زندگی میں ہبہ یا تحفہ کا اصول ہے کہ تمام ورثاء کو برابری کی بنیاد پر دیا جائے۔ بیٹوں کو بیٹیوں سے زیادہ نہیں دیا جاسکتا۔ جو جائیداد تقسیم یا ہبہ کی گئی ہے اگر شریعت کے مطابق نہیں تو اسے شریعت کے مطابق تقسیم کیا جائے گا۔ امام اعظم، امام شافعی، امام مالک اور جمہور ائمہ کے نزدیک ہبہ کی یہی صورت یعنی لڑکی اور لڑکے میں برابری امر مستحب ہے۔ جبکہ امام احمد بن حنبل اور دیگر بعض ائمہ کے نزدیک لڑکے اور لڑکیوں کو برابر حصہ دینا واجب ہے۔

اپنی زندگی میں اپنی جائیداد تقسیم کرنے یعنی ہبہ کرنے کی مندرجہ ذیل اصول ہیں:

1۔ لڑکوں/لڑکیوں کو برابر حصہ دیا جائے، البتہ دینداری کی بنا ترجیحاً کسی کو زیادہ حصہ دینا جائز ہے۔

2۔ کسی کو بلاوجہ محروم نہ کیا جائے۔ البتہ اگر یقین ہو کہ مال کو فضول اور گناہ میں خرچ کرے گا تو ہبہ سے محروم کرنا جائز ہے، لیکن میراث سے کسی شرعی وارث کو محروم کرنا بہر صورت ناجائز اور حرام ہے۔

3۔ ہر ایک کا متعین حصہ الگ کر کے اسے مالک و قابض بنا دیا جائے۔ کاغذی کارروائی صرف قانونی مجبوری ہے۔ بلا قبضہ محض کاغذات سے شرعاً مالک نہیں بنتا، بلکہ بدستور اصل مالک کی ملکیت میں شمار ہو کر اس کے مرنے کے بعد اصول میراث کے مطابق تقسیم ہوگا۔

سپریم کورٹ آف پاکستان کے معزز جج صاحبان جسٹس اعجاز افضل خان اور جسٹس دوست محمد خان نے عبدالرحمٰن بنام مجیداں بی بی کے مقدمہ (2017SCMR-1110) میں ہبہ کے قانونی طور پر صحیح ہونے کے لیے درج ذیل تین شرائط کو لازمی قرار دیا ہے:

1۔ ہبہ دہندہ جو بالغ، عاقل اور جائیداد کا مالک ہو، وہ ہبہ کی پیش کش کا علانیہ اظہار کرے۔

2۔ ہبہ گیرندہ جو عاقل و بالغ ہو کی طرف سے اس پیش کش کا تحریری یا علانیہ طور پر اظہارِ قبولیت ہو۔

3۔ اگر ہبہ کی جانے والی جائیداد پر ہبہ دہندہ خود قابضِ نہ ہو بلکہ کوئی اور ہو جیسے مزارع، کرایہ دار یا پٹہ دار، تو ہبہ دہندہ اُس کے سامنے یہ اعلان کرے یا اسے تحریری نوٹس دے کہ اس دن سے وہ ہبہ گیرندہ کو مالک تصور کرے اور جائیداد کی آمدن، کرایہ، پٹہ داری یا عوضانہ نئے مالک کو ادا کرے۔ (جاری ہے)

نیا جال لائے پرانے شکاری
پہلے احتساب پھر انتقال اقتدار

ابوفیصل محمد منظور انور

مغربی جمہوری نظام کا تصور ہے: Democracy of the people by the people & for the people یعنی عوام کی حکومت، عوام کے ذریعے سے اور عوام کے لیے۔ مگر پاکستان میں رائج الوقت جمہوری نظام میں عوام الیکشن کے موقع پر ووٹ دینے کے بعد کہیں بھی نظر نہیں آتے البتہ عوامی ٹیکسوں سے مراعات لینے والے منتخب نمائندے اور بیوروکریٹس گلچھرے اڑاتے نظر آتے ہیں جو ان بے بس عوام کے اصل حاکم بنے ہوئے ہیں ایسے غیر منصفانہ نظام کے ثمرات صرف اشرافیہ اور حکمران طبقہ ہی سمیٹتا ہے نتیجے میں لیڈرز خوشحال اور عوام بدحال ہوجاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے ہر سال اربوں کھربوں کے بجٹ مختص کیے جانے باوجود کہ ہمارے دیرینہ مسائل جوں کے توں ہیں۔ عرصے سے جاری مغربی جمہوری غیر منصفانہ نظام ایک شر ہے اور ہم اس شر سے خیر کے برآمد ہونے کے معجزے کے انتظار میں ہیں اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ نظام دین اسلام ہے یہ آفاقی منصفانہ، عادلانہ اور سب سے بہتر نظام ہے کچھ سیکولر اور لبرل عناصر اسلام کے عادلانہ نظام کی بجائے مغربی لادینی نظام پسند کرتے ہیں اس لئے ان عقل کے اندھوں نے مغربی جمہوریت کو جاری رکھنے اور اس سے مستفیض ہونے کے لئے حقائق سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔ دوسری طرف خالق کائنات کی منشا اور قانون حضرت محمد ﷺ کا دین اور قانون شریعت ہے۔ اِن شاء اللہ جلد ہی فطرت کے قانون کے مطابق اس جمہوری ڈرامے کا ڈراپ سین ہوجائے گا اور پوری دنیا میں اللہ کے پسندیدہ دین اسلام کا بول بالا ہوگا۔

ملک میں الیکشن 2018ء کا معرکہ برپا ہے اور صاف وشفاف الیکشن کی توقعات بھی ظاہر کی جارہی ہیں۔اس سے قبل ملکی تاریخ میں 1970ء میں بھی منصفانہ صاف وشفاف الیکشن ہوئے تھے مگر ہوسِ اقتدار میں اندھے ایک نام نہاد قائدعوام نے اکثریتی فیصلے کوتسلیم کرنے کی بجائے ادھر ہم ادھر تم کا نعرہ لگایا نتیجے میں اس کوتو اقتدار مل گیا مگر ملک دولخت ہوگیا۔ملک ٹوٹنے کا یہ زخم پاکستانی قوم آج تک چاٹ رہی ہے اس وقت کے الیکشن کے نتیجے میں عوام کو کچھ بھی حاصل نہ ہوا البتہ وطن عزیز عرصۂ دراز تک بدامنی کا شکار رہا۔ جمہوری ریل کئی بار پٹڑی سے اتری اور چڑھی مگر ملکی معیشت اور امن وامان کو استحکام نصیب نہ ہوسکا قوم مغربی جمہوریت کے حقیقی ثمرات سے اگر کوئی ہیں، تا حال محروم نظر آتی ہے البتہ سیاسی اشرافیہ نے میثاق جمہوریت جیسے باری باری حکومت کرنے ایسے معاہدے کرکے کمال ہوشیاری کے ساتھ ملکی خزانے کو لوٹ کر بیرون مما لک قیمتی جائیدادیں بنائیں ۔ یہ اس مغربی جمہوریت کا ہی تو اعجاز ہے کہ وطن عزیز 90 بلین ڈالر کا مقروض ہے اور ہر پاکستانی تقریباً ایک لاکھ پینتیس ہزار روپے کا مقروض ہے۔صرف دو تین خاندانوں کی کھربوں کی بیرون مما لک قیمتی جائیدادوں کے انکشافات نے عوام کو ہلا کر رکھ دیا ہے۔شاباش ہے جمہوریت کے عالمی مہروں اور اس کے محافظوں کو کہ وہ جمہوریت کا راگ الاپ کر پاکستان جیسے ملکوں کے حکمرانوں کی دولت کوتحفظ دیتے ہیں اور ان کی تفصیلات بتانے سے بھی گریز کرتے ہیں۔سویٹزرلینڈ بینک ایسی ہی حرام کی کمائی ہوئی دولت کی وجہ سے دنیا کا بہترین بینک تصور کیا جاتا ہے مغربی جمہوریت کے دعویدار کرپشن کا کھیل جاری رکھتے ہیں اور ترقی پذیر مما لک کا روپیہ اپنے ہاں رکھ کر خود ترقی کرتے ہیں یہی لوگ عالمی رسہ گیر اور اصل مجرم ہیں۔

اطلاعات کے مطابق STATUSQUO کے حامی قبضہ مافیا کے گروہ حالات کو جوں کا توں رکھنا چاہتے تھے جس میں وہ بظاہر کامیاب ہو چکے ہیں۔حصہ لینے والے امیدواروں نے جو اثاثے ظاہر کیے ہیں وہ قابل اعتماد نظر نہیں آتے ہیں کیونکہ وہ ان کی موجودہ ٹھاٹھ باٹھ سے میل نہیں کھاتے اگر ان کے اثاثوں بارے ایمانداری کے ساتھ تحقیقات ہو جائیں تو صاف پتہ چل جائے گا کہ ان کے فرنٹ میں کون اور کتنے ہیں یہ کہ ان خواتین وحضرات نے یہ اثاثے کب اور کیسے بنائے ہیں۔ پانامہ پیپرز سیکنڈل میں احتساب عدالت کی طرف سے نواز شریف خاندان کو ایون فیلڈز ریفرنس میں مجرم قرار دے کر اڈیالہ جیل بھجوایا گیا ہے۔حال ہی میں ایک برطانوی

اخبار میں شریف خاندان کی بیرون ملک اربوں روپوں کی مزید جائیدادیں منظر عام پر آنے کا انکشاف ہوا ہے جس پر شریف خاندان کی طرف سے روایتی بیان بازی کے علاوہ کچھ بھی سامنے نہیں آیا ہے۔ مجرم خاندان اور ان کے حواریوں کا واویلا قوم کو کیا پیغام دے رہا ہے؟ یہ معاشی دہشت گرد اسے بھی اپنے خلاف سازش قرار دے رہے ہیں۔ مسٹر زرداری اینڈ کمپنی کی اربوں کی کرپشن کے قصے اگرچہ زبان زد خاص وعام تھے ہی کہ اب ایف آئی اے کی تحقیقات میں اسی گروہ کے مزید 80ارب روپے کی منی لانڈرنگ میں ملوث ہونے کا انکشاف ہوا ہے۔ پہلے مسٹر زرداری اوران کی بہن فریال تالپور کا نام ECL میں ڈالا گیا پھر نکال لیا گیا۔ بحریہ ٹاؤن کے مالک ملک ریاض پر بھی اربوں کی سرکاری اراضی ہتھیانے کے الزامات ہیں جبکہ مشتاق رئیسانی 84ارب روپے، شرجیل میمن 426 ارب روپے، ڈاکٹر عاصم 480 ارب روپے اوراحد چیمہ پر 1850ارب روپے یعنی صرف 4 بااثر افراد پر 2840ارب روپے کے گھپلے کرنے کے الزامات ہیں۔ ایک نجی بینک کے مالک اور پاکستان سٹاک ایکسچینج کے چیئرمین مسٹر حسین لوائی کی گرفتاری اورتحقیقات پر پی پی پی کی قیادت کا شدید ردّعمل چہ معنی دارد؟ ابھی تو 400 کے قریب پانامہ پیپرز والے اور 222 قرضہ معاف کروانے والی اہم شخصیات و دیگر کرپٹ عناصر (معاشی دہشت گردوں) کے کیس فائلوں تلے دبے ہیں۔ جب کبھی ان معاشی دہشت گردوں کے خلاف کارروائی کا آغاز ہونے لگتا ہے تو جمہوریت کے خلاف سازش اور جمہوری نظام کو خطرات درپیش ہیں، کی راگنی گائی جاتی ہے اب ان بدمعاشوں کے واویلے کی پرواہ نہیں ہونی چاہیے۔

جمہوریت کے کھیل کے ڈرامے میں یہاں ہمیشہ اداکار اور کردار بدل بدل کر سامنے آتے رہے ہیں گزشتہ ستر سالوں سے جمہوریت اور ووٹ ووٹ کھیلنے کا ڈرامہ وقفے وقفے سے دکھایا جاتا رہا ہے۔ ڈرامے میں عوام کی دلچسپی کے باعث ایک ہی کہانی کو بار بار نئے اداکاروں اور شرطیہ نئے پرنٹ کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے حالیہ الیکشن میں اکثر سیاسی بازی گروں کے نااہل ہوجانے کی واضح توقعات تھیں مگر 'بسا آرزو کہ خاک شدٗ اور عوامی خواہشات پوری نہ ہوسکیں۔ الیکشن کمیشن نے نئے حلف نامے کی نوید سنائی تھی تاکہ بددیانت عناصر کا راستہ روکا جاسکے مگر اس کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ سامنے نظر نہ آیا۔ ایک ایک کر کے سارے لوٹے لٹیرے خیر سے الیکشن لڑنے کے لئے اہل قرار دے دیے گئے۔ لگتا ہے عوام کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کے لئے یہ ڈرامہ

رچایا گیا۔ خیر سے پھر وہی قبضہ مافیا کے سرغنے ،جعلی ڈگریوں والے،قرضہ خور، جاگیردار،بجلی چور، ٹھیکیدار، جعلساز، معاشی دہشت گرد، سیاسی اشرافیہ جونیب کی لانڈری میں صحیح دھلائی وصفائی نہ ہونے کے وجہ سے صادق اور امین قرار پاکر پتلی گلی سے نکل کر پھر سے سیاسی عمل میں شریک ہونے میں کامیاب ہوگئے۔ یہی عناصر ایک بار پھر سے ملکی باگ ڈور سنبھال کر ملک وقوم کی تقدیر کے فیصلے کریں گے۔ 90 فی صد سے زائد وہی پرانے شکاری پارٹیاں بدل بدل کر ایک بار پھر سادہ لوح عوام کا شکار کر کے اسمبلیوں میں پہنچے۔

اب احتسابی عمل کو بلا تاخیر مکمل کر کے ہی انتقال اقتدار ہونا چاہیے اگر چہ اس بار عدلیہ نے قوم کو آزادانہ فیصلوں کے ذریعے اچھے مستقبل کی نوید سنائی ہے مگر عام آدمی اب بھی ان معاشی دہشت گردوں کے بچ کر نکلنے کے خدشات ظاہر کر رہا ہے کیونکہ اب تک یہ چالاک و مکار مجرم گروہ ہمیشہ کسی نہ کسی طرح بچ نکلنے میں کامیاب رہا ہے۔ گزشتہ 70 سالوں سے ملکی اقتدار پر قابض موروثی معاشی دہشت گردوں اور قبضہ مافیا نے جو آئین کی دفعات 62-63 پر پورے نہیں اترتے نے ہی الیکشن میں حصہ لیکر اقتدار پر قابض ہونا ہے تو پھر الیکشن کروانے کا فائدہ ہی کیا ہے؟ اگر پہلے بے لاگ احتساب نہ ہوا اور انتخاب کا ڈھونگ رچا کر ملک وقوم کو انھیں لوٹوں لٹیروں کے حوالے کرنا ہے تو اربوں روپے کے اخراجات کر کے ملک میں نئے الیکشن کروانے کا مقصد ہی کیا ہے؟ یہ سنہری موقع ہے کہ ان کی طرف سے فراہم کردہ اثاثوں کی چھان بین کر لی جائے اور ناجائز دولت ضبط کر کے انھیں جیلوں میں ڈالا جائے۔

مغربی جمہوریت بارے شاعر مشرق حکیم الامت علامہ محمد اقبال مرحوم نے فرمایا تھا

جمہوریت اِک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے

اب بھی وقت ہے کہ انتقال اقتدار سے پہلے ایک بار پھر ان بندوں کو تول کر ان کے کردار کو پرکھا جائے تا کہ صرف اعلیٰ کردار کے حامل لوگوں کو ہی مسند اقتدار پر بٹھایا جائے اور پھر عنان حکومت ایسی امانت ان کے سپرد کی جائے۔

اس بار بھی بظاہر چند ایسی پارٹیوں کے امیدوار لوٹوں، مجرمانہ ذہنیت والے، ناپسندیدہ کردار کے حامل نمائندوں کو ہی منتخب کروا کر ووٹر کی بجائے، 'ووٹ کو عزت دو' کے نعرہ کی تکمیل کی

جارہی ہے تا کہ نام نہاد مغربی جمہوریت کے تسلسل کی آئینی حیثیت بحال رہے اور مغربی جمہوریت کے پودے کی آبیاری کر کے برسوں سے اقتدار پر قابض مغربی دنیا کے دلالوں کو ہی مسلط کرنے کی سازش کو عملی جامہ پہنایا جا سکے۔ اس وقت عوام کی رائے میں سیاسی عناصر، بیورو کریسی اور دیگر اہم عہدوں پر فائز رہنے والی اہم شخصیات اور ان کے خاندان کے اثاثوں کی چھان بین اور ان کا مکمل احتساب کیے بغیر انتقال اقتدار کا مرحلہ طے کرنا ملک اور قوم کے ساتھ ظلم و زیادتی کے مترادف ہوگا۔ جب بھی ملکی خزانے کو لوٹنے والے ان قومی مجرموں کو عدالتی کٹہرے میں لانے کی کوشش ہوتی ہے تو یہ احتساب سے بچنے کے لئے شور مچاتے ہیں۔ نیب کا شکنجہ کس کر ہر ایک کا مکمل احتساب ہو جانا چاہئے کسی کے ساتھ نرمی ملک وقوم کے ساتھ غداری کے مترادف ہوگی۔ کئی عشروں سے ملکی دولت لوٹنے والوں کو چھوڑ دینے سے متعلقہ اداروں پر عوامی اعتماد کو ٹھیس پہنچے گی اور عوام میں شدید ردعمل ہوگا جس کے ملکی سالمیت پر منفی اثرات مرتب ہو سکتے ہیں ملک کسی خانہ جنگی کا متحمل نہیں ہو سکتا لہٰذا پہلے مکمل احتساب پھر اقتدار کی کرسی دینے کا راستہ اپنایا جائے وگرنہ اس نام نہاد مغربی جمہوری نظام سے خیر کی بجائے جو شر برآمد ہوگا وہ ملک اور قوم کو تباہی و بربادی کے سوا کچھ نہیں دے گا۔ سیاست دان اپنے مخالفین پر جھوٹے الزامات اور ایک دوسرے کی کردارکشی کرتے رہے ہیں انتقال اقتدار سے پہلے ان الزامات کی بھی تحقیقات اور ان کا مکمل احتساب ہونا چاہیے وگرنہ یہ اپنی عادت کے مطابق پھر سے لوٹ مار میں مصروف ہو جائیں گے۔

پاکستان کا یوم آزادی 14 اگست آنے والا ہے اللہ کرے اس سے پہلے حکومت کی تبدیلی کا عمل پرامن طریقے سے پایہ تکمیل کو پہنچے ملک کو سیاسی استحکام نصیب ہو جائے اور قائداعظم محمد علی جناح کے فرمودات کی روشنی میں ملک کو اسلامی فلاحی ریاست بنانے کا خواب شرمندہ تعبیر ہو سکے اور پاکستانی قوم ایک صحیح اسلامی جمہوریہ پاکستان کے شہری ہونے پر فخر کر سکیں۔

ہم پرورش لوح و قلم کرتے رہیں گے
جو دل پہ گزرتی ہے وہ رقم کرتے رہیں گے

الحمدللہ

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ کی مطبوعات

1	خیریت تعلّم وتعلیم قرآن مجید اور ہماری ذمہ داریاں	Rs.16
2	جنوبی ایشیا میں مسلم بیداری کے سو سال (1910ء۔2010ء)	Rs.300
3	یاجوج ماجوج؟	Rs.220
4	21 اسلامی انقلابی شخصیات (حصہ اوّل)	Rs.120
5	21 اسلامی انقلابی شخصیات (حصہ دوم)	Rs.130
6	21 اسلامی انقلابی شخصیات (حصہ سوم)	Rs.120
7	21 اسلامی انقلابی شخصیات (مکمل)	Rs.380
8	صہیونیت قرآن مجید کے آئینے میں	Rs.425
9	10 علاماتِ قیامت (ایک حدیث مبارکہ کی وضاحت)	Rs.165
10	تعمیر سیرت وکردار (مکمل)	Rs.450
11	تعمیر سیرت وکردار (پندرہ کتابچے)	....
12	درسِ قرآن کی تیاری کیسے کریں؟	Rs.120
13	اسلامی نظریہ اور ریاست پاکستان	Rs.45
14	قرآن مجید کے حقوق	Rs.40
15	اُمت مسلمہ کی تشکیل نو میں اہل قلم کا رول	Rs.50

مکتبہ قرآن اکیڈمی جھنگ کی یہ مطبوعات قرآن اکیڈمی جھنگ

سے 40% رعایت کے ساتھ حاصل کریں (علاوہ ڈاک خرچ)

25 روزہ کورس

پھر سوئے حرم لے چل

کے شرکاء کے تاثرات

منعقدہ 28 جون تا 21 جولائی 2018ء

ماہِ جولائی 2018ء میں قرآن اکیڈمی جھنگ میں 25 روزہ قرآن فہمی کورس ''پھر سوئے حرم لے چل'' کورس منعقد ہوا، جس میں اٹھارہ افراد نے شرکت کی۔ اس کورس کے شرکاء کے کچھ تاثرات شاملِ اشاعت کیے جا رہے ہیں۔ (ادارہ)

محمد ندیم اسلم (جھنگ) اس کورس میں آنے سے پہلے میں یہی سوچتا تھا کہ یہ کورس بھی ان کورسز کی طرح ہوگا جو دنیا میں عام طور پر کروائے جاتے ہیں لیکن اس کورس میں آنے اور اس کی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ہمیں معلوم ہوا ہے کہ دین اسلام کیا ہے اور قرآن مجید پڑھنے اور سیکھنے کا طریقہ کیا ہے فاروقی صاحب کا پڑھانے اور سمجھانے کا طریقہ بہت ہی اعلیٰ ہے۔ میری خواہش ہے کہ میں اس کورس کی کلاسز میں دوبارہ شرکت کروں۔

زین اقبال (جھنگ) اس کورس سے مجھے بہت فائدہ ہوا ہے کہ پہلے میں فقہ اور مسلک میں اُلجھا ہوا تھا اور بہت زیادہ UPSET رہتا تھا اب مجھے اس سے نجات حاصل ہوگئی ہے اور مجھے قرآن مجید اور احادیث کو سمجھنے کا شوق پیدا ہوا ہے، اس کے علاوہ اسلامی تاریخ اور علامہ اقبال کی شخصیت کا علم ہوا۔ ان شاء اللہ میں جو کچھ علم حاصل کر چکا ہوں اس کو دوسروں تک پہنچاؤں گا اور دین حق کے لیے کوشاں رہوں گا۔

محمد سلمان (جھنگ) کالج سے چھٹیاں ہوئیں تو میں گھومنے پھرنے میں اپنا وقت گزرانے

لگا۔ پھر ناصر صاحب نے مجھے بتایا کہ قرآن اکیڈمی جھنگ میں ایک قرآن فہمی کورس ہو رہا ہے آپ اس میں شرکت کریں۔ جب میں یہاں آیا تو مجھے یہاں کا ماحول اچھا لگا اور فاروقی صاحب نے ہمیں بہت اچھی تعلیمات دیں۔ مجھے احساس ہوا کہ ہم نے اس سے پہلے وقت ضائع کر دیا۔ اب میں امید کرتا ہوں کہ جو کچھ یہاں سے حاصل کیا اس پر عمل کروں گا اور دوسرں تک پہنچاؤں گا اور اپنے رشتے داروں اور ساتھیوں کو بھی قرآن اکیڈمی کے قران فہمی کورس کے بارے میں بتاؤں گا اور ضرور بہ ضرور پانچ وقت کی نماز قائم کروں گا۔

امامہ فاروق (جھنگ)　　　اللہ پاک کے فضل سے اس کورس کی وجہ سے ہم میں بہت سی تبدیلیاں آئی ہیں۔ میں ان شاء اللہ اگلے کورس میں بھی شرکت کروں گا اور جو کمی کوتاہی رہ گئی اسے پوری کروں گا۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اور پوری دنیا کے مسلمانوں کو دین کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا کرے۔ (آمین)

محمد وسیم شہزاد (جھنگ)　　　یہ کورس کرنے سے پہلے میں قرآن مجید، حدیث مبارکہ، تاریخ اسلام، کلامِ اقبال کے بارے میں اتنا نہیں جانتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ مجھے علم حاصل کرنے کی توفیق بخشی۔ مجھے اس علم کا بہت فائدہ ہوا ہے اور میرے اندر ایک کشمکش آ گئی ہے کہ اب مجھے اپنا ماحول بدلنا ہوگا، ان شاء اللہ میں نماز باجماعت کی پابندی کروں گا اور دوستوں اور گھر والوں کو بھی تلقین کروں گا۔ اس کورس سے یہ بات سمجھ میں آئی ہے کہ ہم نے اپنے دین اسلام کو غالب کرنے کے لیے جدوجہد کرنی ہے۔ ان شاء اللہ میں یہ کام ضرور کروں گا اور جو میں نے پڑھا ہے اس پر بھی ضرور عمل پیرا ہوں گا۔

محمد ثقلین (جھنگ)　　　اس کورس کے دوران ہم نے سیکھا ہے کہ قرآن مجید و احادیث کو اپنی ذات پر بھی لاگو کریں اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے رشتے دار، محلے دار اور دوستوں کو بھی اس کی تبلیغ کریں۔ میں اپنی پوری کوشش کروں گا کہ ان مفید معلومات کو اپنی زندگی پر بھی لاگو کروں اور اپنے رشتے دار اور دوستوں کو بھی پہنچاؤں۔

محمد ارسلان (جھنگ)　　　دکھ تو اس بات کا ہے کہ یہ کورس کم دنوں کا ہے یہ کورس کم از کم تین مہینوں کا ضرور ہونا چاہیے۔ جب میں دلچسپی لینے لگا تو یہ کورس بھی ختم ہو گیا۔ مجھے اس بات کا بہت

دکھ ہے میرا دل کرتا ہے کہ میں یہاں سے جاؤں ہی نہ۔

امجد شہزاد (جھنگ) قرآن فہمی کورس کی وجہ سے میری زندگی میں بہت سی تبدیلیاں آئی ہیں اس کورس نے ہمیں ہماری زندگی کا مقصد بتایا کہ اس دنیا میں آنے کا مقصد یہ نہیں ہے کہ پیسہ، جاگیر، عیش وعشرت کے ساتھ زندگی گزارو اور چلے جاؤ بلکہ اس دنیا میں آنے کا مقصد آخرت کی تیاری ہے جہاں ہمیں لوٹ کر جانا ہے۔

محمد گل بہار (جھنگ) اس کورس کو مکمل کرنے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ میں پہلے گمراہی میں تھا۔ مجھے دین و دنیا کا کوئی علم نہ تھا اب ایک نئی زندگی گزار رہا ہوں۔ جب کورس کے اختتام کا وقت آ گیا تو مجھے ایک اداسی سی محسوس ہونے لگی ہے ایسے شفیق و مہربان اساتذہ مجھے کبھی نہیں ملیں گے۔ میں تمام اساتذہ کرام کا شکر گزار ہوں۔

حسن معاویہ (جھنگ) ہمیں اس پر بڑی خوشی ہے کہ ہمیں یہ کورس کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ اس سے قبل ہمیں بس اتنا پتا تھا کہ ہم مسلمان ہیں اور ہمارا مذہب اسلام ہے۔ لیکن ہم اس کا حق پوری طرح کیسے ادا کریں ہمیں معلوم نہیں تھا۔ اس پر خدا کا جتنا شکر کریں کم ہے کہ اس نے ہمیں اس ادارے میں آنے کی توفیق دی۔ یہاں آنے پر قرآن مجید کی تفسیر سمجھی اور ہمارے پیارے نبی ﷺ کے آنے کا مقصد سمجھ آیا اور قرآن کو پڑھنے، سمجھنے اور اس پر عمل کرنے اور آگے تبلیغ کرنے کا جذبہ پیدا ہوا اور جہاد کے اصل معانی سمجھ میں آئے۔

اکرام اللہ ارقم (جھنگ) یہ کورس اتنا زیادہ COMPREHENSIVE اور EASY TO UNDERSTAND ہے کہ ہر بات آسانی سے سمجھ آئی اور دل و دماغ اور ضمیر میں ہر ہر لفظ سرایت کر گیا۔ اس کورس نے مجھے جگا دیا ہے اور خواہش ہے کہ میں یہ کورس دوبارہ کروں۔ اس کے اگلے لیول کے کورسز بھی ضرور کروں گا اور دوسرے MATURE دوستوں کو آگاہ اور قائل کروں گا۔

تبصرہ وتعارف کتب

تبصرہ نگار: حافظ مختار احمد گوندل

بوستانِ اقبال

مصنف: محمد الیاس کھوکھر

ناشر: مکتبہ فروغِ فکر اقبال، لاہور

زیر تبصرہ کتاب کا عنوان گو بوستانِ سعدی سے مماثلت رکھتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ خیالات کی بالیدگی اور اقبالیات کی ترجمانی میں اپنی مثال آپ ہے۔ جیسا کہ صفحہ 8 پر تحریر ہے:

''علامہ اقبال معروف معنوں میں تو نہ عالم دین تھے، مگر قلب ونظر کے گداز اور ادراک نے انہیں دین کا ایک عالم بنا رکھا تھا۔ جس ربّ سے انسان بچھڑ چکا ہے، وہ اسے اس رب سے ملانا چاہتے تھے۔ یہی وہ غم ملت اسلامیہ ہے، جس کا اظہار ان کا کلام ہے''۔

اسی طرح صفحہ 11 پر وہ تحریر کرتے ہیں: ''اگر مولانا ابوالکلام آزاد ہوتے تو میں ان سے دست بستہ عرض کرتا کہ اپنے زورِ کلام کے عرفان کی بارش اقبال پر برساؤ۔ مولانا ابوالاعلیٰ مودودی حیات ہوتے تو ان کے پاؤں پکڑ لیتا، تاجدار اقلیم فکر وسخن پر ایک کتاب لکھ دیں......''

18 مضامین پر مشتمل کتاب ایک سلک مروارِید ہے۔ جو ہر کتب خانہ کی ضرورت اور خصوصی طور فکرِ اقبال سے شغف رکھنے والوں کے لیے قیمتی سرمایہ ہے۔ (قیمت:-/500 روپے)

فضائل بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

معارفِ حروفِ مقطعات واسرارِ اسم اعظم

مصنف: الحاج محمد ظہور الحسن اویسی

ناشر: تعمیر ملت فاؤنڈیشن، کمالیہ

زیر تبصرہ 160 صفحات کی کتاب کا پہلا حصہ حدیث دل، فضائل ذکر الٰہی، درود شریف، بسم اللہ الرحمٰن الرحیم اور دوسرا حصہ معارفِ حروف مقطعات اور تیسرا حصہ اسرارِ اسم اعظم پر

مشتمل ہے۔ روحانیات کی یہ تصنیف ماہ رمضان میں تحریر ہوئی اور اس کا سبب بھی ایک روحانی مشاہدہ ہے، جیسا کہ صاحب تصنیف نے تحریر کیا ہے: ''میرے پیرومرشد حضرت ابوانیس محمد برکت علی قدس سرہٗ کی روحِ پرفتوح نے اپنی گرفت میں لے لیا۔ فرمایا: آئندہ رمضان المبارک میں تمہیں ایک عظیم کتاب جس کا نام بھی انھوں نے ہی تجویز فرمایا تحریر کرنا ہے۔'' اپنے نام کی مناسبت سے اسم اعظم کی تخریج خصوصی طور پر قابل مطالعہ ہے۔ دلدادگانِ تصوف کے لیے رہنما اور کتب خانوں کی ضرورت ہے۔ (قیمت: 150 روپے)

ڈاکٹر زاہد اشرف صاحب (ستارۂ امتیاز)

کی 3 کتب

ناشر: مکتبہ المنبر، جامعہ سٹریٹ، سرگودھا روڈ فیصل آباد

3 تاریخ طب عہد بہ عہد زیر تبصرہ کتاب دراصل طب پر مصنف کے پی ایچ ڈی (عربی مقالہ) کے مقدمہ اور اس کے پہلے باب کا اردو ترجمہ ہے۔ مسلمانوں یا عربوں نے اس فن کو ایجاد نہیں کیا۔ انہیں تو یہ اپنے آباء واجداد یا سابقہ امم سے وراثت میں ملا ہے۔ مسلمانوں نے فن یونانی شرک واوہام سے پاک کر کے خالص تجرباتی علم کی حیثیت سے آگے بڑھائے۔ یہ مقالہ ایک منفرد تالیف ہے، جس کے پہلے باب کا مقدمہ پروفیسر ڈاکٹر عبدالحنان اور اس پر تقریظ پروفیسر حکیم منصور العزیز نے تحریر فرمائی۔ شعبہ طب سے دلچسپی رکھنے والوں اور عوامی کتب خانوں کی زینت بننے کے لائق ہے۔

4 مولانا عبدالرحیم اشرف رحمۃ اللہ علیہ **حیات وخدمات ①** زیر تبصرہ کتاب اسلام اور پاکستان کے استحکام کی خوشبو میں بسے ایک بطلِ جلیل صبغۃ اللہ کے رنگ سے رنگین حکیم مولانا عبدالرحیم اشرف رحمۃ اللہ علیہ کی حیات وخدمات پر مشتمل ہے۔ موصوف نے مولانا مودودی رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں پہلے دستور اسلامی کے نفاذ، تحفظِ ختمِ نبوۃ وغیرہ کے سلسلے میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں۔ فیصل آباد میں 'المنبر' کے نام سے رسالہ جاری کیا۔ ربوہ کو چناب نگر قرار دینا، قادیانیوں کو اسلامی شعائر کے استعمال سے روکنے کی آئینی جدوجہد، تحفظِ ختمِ نبوت، لائل پور کو فیصل آباد کے نام سے بدلنا جیسے محاذوں پر وہ ہمیشہ سرگرم عمل رہے۔ زیر تبصرہ

تالیف کا پہلا حصہ عرض مرتب، پیغامات: جناب راجہ محمد ظفر الحق، جناب میاں طفیل محمد، جناب محمد اعجاز الحق، جناب محمد اقبال خان اور مولانا جان محمد عباسی کے بعد 16 نگارشاتِ علماء کرام، 17 نگارشاتِ اصحابِ تعلیم، 32 نگارشاتِ اہل قلم، 13 منظوم عقیدتیں اور آخر میں مولانا عبدالرحیم اشرف تصاویر کے آئینے میں، پر مشتمل ہے۔ لائبریریوں کی زینت اور مشاہیر پاکستان سے معلوماتی ذخیرہ میں اضافہ ہے۔

5 دُعائے محرومی زیر تبصرہ مختلف موضوعات پر اکتوبر 1991ء سے مارچ 1995ء کے عرصہ پر محیط بلاعنوان 68 نثری نظموں کا مجموعہ مصنف کی ایک تجدیدی کاوِش ہے جس کے امتیازی اوصاف میں وقیع علمی وادبی شخصیات جناب ڈاکٹر محمد آصف اعوان، جناب ڈاکٹر زاہد منیر عامر اور جناب سعود عثمانی کی نگارشات اور ایک نئے جہتی انداز میں علامہ اقبال کے شکوہ و جوابِ شکوہ کا تتبع ہیں۔ زیر تبصرہ تالیف اس حوالہ سے قابل صد خراجِ تحسین ہے کہ اس میں معاشرے کی تہذیبی، ثقافتی اور سیاسی برائیوں کا تذکرہ ہے۔ دینی کتب خانوں کی زینت اور عوامی کتب خانوں کی ضرورت ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ملت اسلامیہ کے ایسے مخلص بہی خواہوں کی مساعی میں برکت عطا فرمائے۔ آمین۔

زندگی میں کامیابیاں حاصل کرنے کے لیے علامہ محمد اقبال کا راہ نما فارمولا

قائدِاعظم نے فرمایا:

قائدِاعظم محمد علی جناح کی وفات (11 ستمبر 1948ء)

قائدِاعظم محمد علی جناح نے اپنی وفات بتاریخ 11 ستمبر 1948ء سے دو تین دن پہلے پروفیسر ڈاکٹر ریاض علی شاہ سے فرمایا:

''تم جانتے ہو کہ جب مجھے یہ احساس ہوتا ہے کہ پاکستان بن چکا ہے تو میری روح کو کس قدر اطمینان ہوتا ہے! یہ مشکل کام تھا اور میں اکیلا اسے کبھی نہیں کرسکتا تھا۔ میرا ایمان ہے کہ یہ رسولِ خدا ﷺ کا روحانی فیض ہے کہ پاکستان وجود میں آیا۔ اب یہ پاکستانیوں کا فرض ہے کہ وہ اسے خلافت راشدہ کا نمونہ بنائیں تاکہ خدا اپنا وعدہ پورا کرے اور مسلمانوں کو زمین کی بادشاہت دے۔''

(بیان ڈاکٹر ریاض علی شاہ صاحب، روزنامہ جنگ 11 ستمبر 1988ء)

زائرینِ حرمین
کو سفرِ حج مبارک ہو

لَبَّيْكَ اَللّٰھُمَّ لَبَّيْكَ

میں حاضر ہوں، اے اللہ! میں حاضر ہوں

لَبَّيْكَ لَا شَرِيْكَ لَكَ لَبَّيْكَ

میں حاضر ہوں، آپ کا کوئی شریک نہیں، میں حاضر ہوں

اِنَّ الْحَمْدَ وَ النِّعْمَةَ لَكَ وَ الْمُلْك

بے شک تمام تعریفیں اور تمام نعمتیں
اور تمام بادشاہتیں آپ کے لیے ہیں

لَا شَرِيْكَ لَكَ

آپ کا کوئی شریک نہیں